حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

تحفۂ برما

یعنی

[مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی برما میں مختلف اجتماعات ومجالس میں کی گئیں فکر انگیز، روح پرور اور ایمان افروز تقریروں میں سے وہ اہم تقریریں جن میں اسلام کی حفاظت واشاعت کے ضروری کام اور ہم وطنوں کو اس سے متعارف و مانوس کرانے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ یہی ابراہیمی میراث ہے اور اسی میں مسلمانوں کی کامیابی کا راز مضمر ہے]

مرتب

سید محمود حسن حسنی

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ

نام کتاب	:	تحفۂ برما (از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی)
نام مرتب	:	سید محمود حسن حسنی
صفحات	:	۱۵۸
تعداد اشاعت	:	۱۰۰۰
کمپوزنگ	:	(حشمت علی) موبائل 9305202797
طباعت	:	کاکوری آفسیٹ پریس، لکھنؤ
طبع اول	:	۲۰۰۸ء - ۱۴۲۹ھ

ملنے کے پتے

☆ مکتبہ اسلام، رؤوف مارکیٹ، گوئن روڈ، لکھنؤ

☆ مکتبہ ندوۃ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

☆ الفرقان بک ڈپو، نظیر آباد، لکھنؤ

☆ سید احمد شہید اکیڈمی، دار عرفات، رائے بریلی

☆ مکتبہ ابوالحسن علی، نزد مظاہر علوم، سہارن پور

☆ مکتبہ ابوالحسن علی، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی

فہرست

ہدایت و تبلیغ اور دعوت و اصلاح کا کام امت کے وجود و بقاء کا ضامن ہے ۸۹

☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

از حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین و خاتم
النبیین سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین و بعد!

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ کا مطالعہ قوموں کے حالات وواقعات کے تجزیہ کے ساتھ کیا اور اس میں خاص طور پر مسلمانوں کے عروج وزوال کے اسباب کو سمجھنے کی طرف زیادہ توجہ دی، اور قرآن مجید میں سابقہ قوموں کے حالات اوران کی ترقی اور تنزل کو جس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ان سے عبرت ونصیحت حاصل ہو، مولانا نے مسلمانوں کے تاریخی واقعات اور حالات کا تجزیہ ان ہی حالات کی روشنی میں کیا اور موجودہ حالات کو ان سے منطبق کرنے کا طریقہ اختیار کیا، لہٰذا ان کی تصنیفات میں اور مختلف ملکوں کے مسلمانوں کو مخاطب کرنے کا جو انداز ملتا ہے اس سے ان کے ان قوموں کے حالات کے تجزیہ وتحلیل سے نتائج نکالنے کی کوشش ملتی ہے۔ مختلف ملکوں میں ان کے سفروں میں ان کی گفتگو اور جو خطابات ضبط تحریر میں لے آئے گئے، ان میں اس بات کو دیکھا جاسکتا ہے۔

برما کا ملک انگریزوں کے اقتدار کے زمانہ میں ہندوستان سے جڑا ہوا تھا اور وہاں کے مرکزی شہر رنگون میں ترقی اور تمدن میں پیش رفت ہو رہی تھی اس سے ہندوستان کے لوگوں نے بھی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور اس طریقہ سے مختلف تجارت پیشہ اور ملازمت پیشہ لوگ وہاں جا کر اس ترقی اور تمدن کے قافلہ میں شریک ہوتے رہتے تھے اس سے ہندوستان کے مسلمانوں کو بھی اچھا موقع ملا، اور وہاں کے کاروبار میں ان کی بھی ایک اچھی جگہ بن گئی تھی۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے جب وہاں کا سفر ۱۹۶۰-۶۱ء میں کیا اس وقت وہاں مسلمانوں کے معاشرہ کو دیکھنے کا موقع ملا اور اس میں زندگی کو صحیح دینی اور سماجی راہوں پر قائم رکھنے میں بڑی کوتاہی محسوس کی، چنانچہ انہوں نے اپنی تقریروں میں اس بات کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا کہ حال مادی لحاظ سے بہت بہتر اور اعلیٰ نظر آتا ہے لیکن یہ مستقبل کی سلامتی اور بہتری کی علامت نہیں بن سکتا اگر زندگی کو دینی اور اخلاقی قدروں کا پابند نہیں کیا گیا اور قوموں کے عروج وزوال کے اسباب کو سامنے رکھا نہیں گیا، تو یہی خوش حال معاشرہ ناکامی اور سخت نقصان اور خسارہ کا شکار ہوگا، اور پھر مسلمانوں کا یہاں رہنا مشکل ہو جائے گا، اس وقت مسلمانوں نے اس بات کو اتنی زیادہ اہمیت نہیں دی اور صرف اس کو ایک نصیحت اور خیر خواہی کی بات قرار دی، اور ظاہراً ان نصیحتوں کی قدر دانی کا اظہار کیا لیکن عملی طور پر تبدیلی اور اصلاح کی طرف توجہ نہ کر سکے۔

بہرحال حالات کا جو تسلسل ہوا اس میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے جن باتوں سے ڈرایا تھا بہت کم مدت میں وہ باتیں سامنے آگئیں، اور بڑے بڑے تاجروں کو قلاش ہو کر ملک چھوڑنا پڑا، اور ہندوستان میں اور دوسرے ملکوں

میں پناہ لینی پڑی، اس وقت ملک بدر ہونے والے مسلمانوں نے مولانا کی تقریروں کو بہت یاد کیا، اوران کی اہمیت تسلیم کی، لیکن یہ بعد از وقت تھا، جس کو آئندہ کے حالات پر منطبق کر کے دیگر ملکوں کے مسلمان فائدہ اٹھا سکتے تھے۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ایک دو نہیں بیسیوں تقریریں ہوئیں جس میں انہوں نے معاشرہ کو جھنجھوڑا، اور داعیانہ کردار کے ساتھ زندگی گزارنے پر ابھارا، یہ ساری تقریریں حاصل نہ ہوسکیں اور محفوظ ہونے سے رہ گئیں البتہ جو قلمبند ہوگئیں تھیں اور بعض رسالوں میں شائع بھی ہوئیں، ان میں یہ دو اہم تقریریں ایک ساتھ شائع کی جارہی ہیں، جن کو رسالوں کی پرانی فائلوں سے نکالنے اور ترتیب دینے کا کام عزیزان مولوی محمود حسن حسنی ومولوی انیس احمد ندوی سلمہما نے انجام دیا، اللہ تعالیٰ ان کے اس عمل کو قبول فرمائے۔

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ کے ذمہ داروں نے اس کے شائع کرنے کا نظم کیا ہے وہ لوگوں کے شکریہ کے مستحق ہیں، امید ہے کہ اس سے دیگر ملکوں کے مسلمان اور قارئین فائدہ اٹھائیں گے "تحفۂ برما" کے نام سے یہ رسالہ شائع کیا جارہا ہے یہ صرف اہل برما کے لیے ہی نہیں دوسرے ملکوں کے مسلمانوں اور استفادہ کرنے والوں کے لیے بھی ایک بہترین تحفہ ثابت ہوگا۔

واللہ الموفق وھو یہدی السبیل۔

محمد رابع حسنی ندوی

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

دوشنبہ ۲۱ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ

عرض ناشر

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین
وخاتم النبیین سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین وبعد!

ندوۃ العلماء کے بانیوں کی فراست اور عصر کے مزاج شناسی کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے دارالعلوم قائم کرتے وقت اس کا شعار اس آیت کو اختیار کیا، جو سورۂ توبہ میں آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً، فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ"(سورہ توبہ آیت: ۱۲۲)

"یہ تو ممکن نہیں کہ اہل ایمان سب کے سب اپنے گھروں سے نکل پڑیں ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ ہر گروہ میں سے ایک جماعت گھروں سے نکل جائے، تاکہ دین کی اچھی سمجھ حاصل کریں اور جب واپس آئیں تو اپنی قوم کو ڈرائیں، تاکہ وہ احتیاط کی زندگی گزاریں"۔

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ندوہ اور غیر ندوہ کے درمیان اسی کو وجہ امتیاز قرار دیا ہے، مدارس کا عام طور سے کام علوم قدیمہ کی حفاظت اور ان کی دوسری نسلوں تک منتقلی، اور اس سے آگے اس عمل کو آسان بنانے کے لیے ان کی تسہیل

اور تلخیص ہے، یا دوسری زبانوں میں منتقل ہے، اور یہ کام مدارس اسلامیہ بخوبی انجام دیتے رہے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء نے نصاب کی تبدیلی اور حالات حاضرہ کے تقاضوں کی رعایت کو ہی اپنا موضوع نہیں بنایا، جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے، بلکہ علوم میں اضافہ اور محض تقلیدی طور پر سلف کے کام کے فہم اور تفہیم پر اکتفا کرنے کے بعد بحث و تحقیق کو اختیار کیا، جو "لیتفقھوا" کا تقاضہ ہے، اس کے بعد قوم کو پیش آنے والے خطرات سے آگاہ کرنے اور ان کے مقابلہ کے لیے تیار کرنے کے کام کو بھی اپنی ذمہ داری قرار دیا، جس کے لیے وسیع خارجی مطالعہ، حالات کے تغیر و تبدیلی سے واقفیت اور قوم کے مزاج اور زمانہ کی زبان کی رعایت کرتے ہوئے اپنے احساسات کی ترجمانی کو اپنا شعار بنایا۔

علوم و فنون کی حفاظت سے زیادہ اہم ملت کی حفاظت ہے، تاریخ شاہد ہے، کہ وہ علاقے جو علوم و فنون اسلامیہ میں مشہور تھے، ملت کی حفاظت کی فکر نہ ہونے کی وجہ سے وہ کفر و الحاد کا مرکز بن گئے، سمرقند، بخارئی، اندلس، جو علوم اسلامیہ کے مرکز تھے وہ اس کی کھلی مثال ہیں۔

اس اہم فریضہ کو ندوۃ العلماء کے اسلاف ہمیشہ انجام دیتے رہے ہیں، حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ (بانی ندوۃ العلماء) سے لے کر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تک سبھی حضرات نے اس سلسلہ میں فکر مندی سے کام لیتے ہوئے رہنمائی کی اور اپنی گرانقدر خدمات پیش کیں۔

موجودہ دور میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفی زندگی اور دعوتی زندگی کا اگر مطالعہ کیا جائے تو یہ پہلو نمایاں نظر آئے گا،

حضرت مولانا علیہ الرحمہ نے جس طرح علوم اسلامیہ، عقائد اسلامیہ پر کتابیں تصنیف کیں، اسی طرح مسلمانوں کو براہ راست خطاب کیا، اور ان کے ان امراض کی طرف انہیں متوجہ کیا، جو ایک امتیازی حیثیت رکھنے والی ملت کی حیثیت سے باقی رہنے کے لیے خطرناک تھے۔

اس بات کو ان کے مختلف ملکوں کے دوروں کے موقعوں پر ان کے خطابات سے زیادہ سمجھا جا سکتا ہے۔ وہ مصر تشریف لے گئے تو اسمعی یا مصر کے عنوان سے اہل مصر کو خطاب کیا، اور ان کی ملی ذمہ داری کی طرف متوجہ کیا، اور ان خطرات سے متنبہ کیا جو مستقبل میں ان کے وجود کے لیے خطرہ ہے۔

شام تشریف لے گئے تو اسمعی یا سوریا کے عنوان سے اہل شام کو جھنجھوڑا اور ان کو درپیش خطرات سے آگاہ کیا۔ جزیرۃ العرب کے دورہ پر رسالہ من العالم الی جزیرۃ العرب اور دوسرے رسالہ "من جزیرۃ العرب الی العالم" میں جزیرۃ العرب میں رہنے والوں کو ان کی ذمہ داری کی طرف متوجہ کیا۔ کویت کے دورہ پر "اسمعی یا زھرۃ الصحراء" کے عنوان سے خطاب کیا۔

اسی طرح ایران، ترکی، افغانستان، اور دیگر ملکوں میں ان کے خطابات ہوئے، یورپی ممالک، اور امریکہ وکنیڈا میں مسلمانوں کے اجتماعات اور دانشوروں کے اہم مجمعوں میں صاف صاف باتیں کہیں، جن میں وہاں مقیم مسلمانوں کی ذمہ داریوں اور داعیانہ کردار کی طرف توجہ دلائی، ان خطابات کے مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں جن میں "مغرب سے صاف صاف باتیں" اور "نئی دنیا (امریکہ) میں صاف صاف باتیں" خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

اسی طرح ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنے خطابات میں متوجہ فرماتے

رہے، ایک اہم رسالہ ''مسلمانوں پر ایک نظر قلب پر تین اثر'' ہے، اسی طرح نیا خون، نیا طوفان، اور دوسرے اصلاحی، دعوتی وفکری خطابات ہیں جو رسالوں کی شکل میں شائع ہو چکے ہیں، جن کا ایک مجموعہ ''اصلاحیات'' کے نام سے مکتبہ اسلام لکھنؤ نے شائع کیا ہے، ''تحفۂ دکن'' کے نام سے حیدرآباد اور اورنگ آباد میں کی گئی تقریروں کا مجموعہ بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے، اور یہ مجموعے ایسے ہیں کہ ان کے آئینے میں مسلمانوں کے ماضی، حال اور مستقبل کے امکانات اور خطرات کے بارے میں مولانا کے تأثرات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

مشرقی بنگال کے المیہ کے بعد مولانا کا کلکتہ کا سفر ہوا تو اس وقت انہوں نے جو خطاب فرمایا وہ مولانا کی خطابت اور اسلامی جذبہ اور حالات سے تأثر اور اصلاح کی فکر کا آئینہ دار ہے، جو ''لسانی عصبیت'' کے نام سے شائع ہوا، اس کے پڑھنے یا خطاب کو سننے سے اب بھی ایسا ہی اثر پڑتا ہے، جیسے یہ حادثہ اسی وقت پیش آیا اور اس میں ''انا النذیر العریان'' کی عکاسی معلوم ہوتی ہے۔

یہ اضطراب اور بے چینی اور ملت کی فکر مولانا کی خصوصیت رہی ہے، جو ہر موقع پر ظاہر ہو کر رہتی ہے آخر میں جب کہ وہ بہت کمزور ہو گئے تھے پھر بھی جب انہیں کچھ کہنے اور سنانے کا موقع ملتا تب ان کی توانائی واپس آجاتی اور وہ ایسا محسوس نہیں ہونے دیتے کہ وہ کمزور یا بیمار ہیں، خاص طور سے وفات سے ایک سال پہلے دبئی (متحدہ عرب امارت) میں ایک پروگرام میں جو ان کے ہی اعزاز کے لیے منعقد کیا گیا تھا شرکت کی دعوت دی گئی تو انہوں نے عربوں کو ان کی ذمہ داریاں یاد دلانے اور ان کو داعیانہ کردار اختیار کرنے کی دعوت دینے کے لیے یہ مشقت کا سفر اختیار کر لیا جب کہ وہ کچھ دنوں سے خاصے بیمار چل رہے تھے۔

پڑوسی ممالک میں بھی مولانا کے خطابات ہوئے، اس کے مجموعے بھی مرتب ہوگئے ہیں بنگلہ دیش کی تقریریں "تحفۂ مشرق" کے نام سے شائع ہوئیں، اور پاکستان میں کی گئیں تقریریں "حدیث پاکستان" (جو ہندوستان سے دعوت فکر وعمل کے نام سے مجلس تحقیقات ونشریات اسلام نے شائع کی ہے) اور تحفۂ پاکستان کے نام سے شائع ہوئیں۔

۱۹۶۰-۱۹۶۱ء میں مولانا کا برما کا دورہ ہوا تھا جو اگرچہ ندوۃ العلماء کی مالی اعانت حاصل کرنے کے لیے کیا گیا تھا جس کا ذکر خود مولانا نے "کاروان زندگی" میں کیا ہے، لیکن وہاں کے مسلمانوں کی خوشحالی کی ظاہری صورت سے ان کو خوشی نہیں ہوئی جیسے مالی تعاون حاصل کرنے والوں کو ہونا چاہیے، مولانا کو تو ایک دردمند دل ملا تھا اور وہ فکر ہی تھی جو انہیں تڑپا دیتی تھی اور ان کی نیند اڑا دیتی تھی، اور جب کہ خود مولانا ہی کا ایک خطاب ہے "بین الجباية والهداية" کے نام سے شائع ہو کر بہت مقبول ہو چکا تھا جس میں انہوں نے عربوں میں خوشحالی آنے کے بعد اس کے خطرات سے متنبہ کیا تھا، اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَاللّٰهِ لَا الْفَقْرَ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ وَلٰكِنْ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ اَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوْهَا كَمَا تَنَافَسُوْهَا وَتُهْلِكَكُمْ كَمَا اَهْلَكَتْهُمْ. (رواہ البخاری ومسلم)

"عمرو بن عوفؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔ میں تم پر فقر و ناداری آنے سے نہیں ڈرتا، لیکن مجھے تمہارے بارہ میں یہ ڈر

ضرور ہے کہ دنیا تم پر زیادہ وسیع کردی جائے، جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر وسیع کی گئی تھی، پھر تم اس کو بہت زیادہ چاہنے لگو، جیسے کہ انہوں نے اس کو بہت زیادہ چاہا تھا (اور اسی کے دیوانے اور متوالے ہوگئے تھے) اور پھر وہ تم کو برباد کردے، جیسے کہ اُس نے اُن اگلوں کو برباد کیا"۔

چنانچہ برما میں مختلف جلسوں میں مولانا نے دولت کے خطرات اور دعوت سے غفلت اور اسلامی زندگی سے دوری اور تہاون کے خطرات سے مسلمانوں کو متوجہ کیا، مولانا نے اس آیت سے بھی استشہاد کیا:

"انی أراکم بخیر وانی أخاف علیکم عذاب یوم محیط"(۱)

یعنی میں تم لوگوں کو خوشحال دیکھ رہا ہوں اس سے مجھے ڈر معلوم ہوتا ہے کہ تم سخت عذاب کی گرفت میں نہ آجاؤ۔

اس کے اثرات بلکہ اس پیشین گوئی کی حقیقت جلد ہی ظاہر ہوگئی، اور وہاں کے خوش حال خاندانوں کو کمیونسٹ انقلاب کے نتیجہ میں بے سروسامان برما سے نکلنا پڑا، وہ لوگ ان تقریروں کو آج بھی یاد کرتے ہیں۔

پیش نظر رسالہ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی ان تقریروں میں سے چند تقریروں پر مشتمل ہے جو عزیزی محمود حسن حسنی سلمۂ نے بڑی کاوش سے مختلف رسالوں اور ریکارڈوں سے نکال کر جمع کیا ہے، یہ ایک بھولا ہوا سبق ہے جس کا اعادہ کیا جارہا ہے، اس طرح کے حالات ہندوستان کے مختلف علاقوں میں پائے جاتے ہیں، کاروباری مزاج غالب آرہا ہے، مادی وسائل پر بہت زیادہ اعتماد کیا جارہا ہے، خود مدارس اسلامیہ اس بہاؤ میں بہہ رہے ہیں،

---

(۱) سورۃ ھود: ۸۴

اور مادی خوشحالی اور ترقی کے رجحانات غالب آرہے ہیں، اوران کے منتظمین اس بہاؤ سے اپنے کو محفوظ رکھنے میں غفلت برت رہے ہیں۔

یہ تقریریں صرف تاجروں کے لیے ہی مفید نہیں یہ علماء، مصلحین، اور اسلامی اداروں کے منتظمین کے لیے بھی مفید ہیں، یہ رسالہ خود مولانا کی زبان میں قامت میں تو کم ہے مگر قیمت میں ضخیم کتابوں پر بھاری ہے، اللہ تعالیٰ نوجوان مرتب رسالہ محمود حسن حسنی سلمہٗ اللہ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور مولوی انیس احمد ندوی (مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ) کو بھی جزائے خیر عطا کرے جنہوں نے اس سلسلہ میں ان کی مدد کی اوراس کی اشاعت کا نظم کیا، مولانا بلال عبدالحی حسنی بھی شکریہ کے مستحق ہیں کہ ان کی فکروتوجہ بھی شامل رہی۔

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کے لیے یہ بڑی سعادت بلکہ فخر کی بات ہے کہ اس نے اس مدفون خزانہ کو مفید عام بنانے کی کوشش کی، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، اوراس کے نفع کو خوب عام فرمائے۔

واضح رشید ندوی

سکریٹری مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ

۱۰؍جون ۲۰۰۸ء

البرکۃ

گولڈن انکلیو، بنگلور

برما کا سفر

اقتباس از ''کاروان زندگی''

دار العلوم ندوۃ العلماء کی (جس کی بحیثیت نائب ناظم (۱) اور اس سے زیادہ خاندانی اور ذاتی تعلق کی بناء پر مجھ پر بھی ذمہ داری تھی) مالی حالت بہت کمزور چلی جا رہی تھی، تقسیم کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کی قوتِ امداد و اعانت اور اس کے وسائل و ذرائع، بہت محدود ہو گئے تھے، ہندوستان کے پڑوسی ملکوں میں برما ایک ایسا ملک تھا جہاں ہندوستانی (بالخصوص گجرات، سورت اور اس کے نواح) کے مسلمان تاجر بکثرت کئی پشتوں سے آباد، اور تجارت میں بحمد اللہ کامیاب تھے وہ اپنے وطن کے بہت سے اداروں کی بھی بڑی اولوالعزمی کے ساتھ مدد کرتے تھے، حسنِ اتفاق کہ دیوبند کے ایک فاضل قاری عبدالرحمٰن صاحب قاسمی نے ذاتی تعارف و روابط کی بنا پر مجھے رنگون آنے کی دعوت دی تا کہ وہاں کے علمی و دینی حلقوں میں کچھ نئی حرکت اور بیداری پیدا ہو اور ساتھ ہی

---

(۱) برما کے سفر سے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ واپس آئے تو چند ہی ماہ بعد ان کے بڑے بھائی ناظم ندوۃ العلماء مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب نے رحلت فرمائی اور ان کی جگہ ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ہوئے۔

ساتھ دار العلوم کی طرف بھی جس سے وہاں کا متمول طبقہ بیشتر نا آشنا تھا، متوجہ ہو، دار العلوم کے ہمدردوں کے مشورے اور بھائی صاحب کی اجازت و ہدایت سے (جو اس زمانہ میں بلڈ پریشر کے سخت مریض تھے) میں نے عزیز گرامی مولوی محمد معین اللہ صاحب ندوی (۱) کی معیت میں سفر کا ارادہ کرلیا، ہم ۱۸ دسمبر ۱۹۶۰ء کو رنگون پہنچے، اخبارات میں چھپا کہ "آزاد برما میں کسی عالم کا اس سے پہلے ایسا استقبال نہیں ہوا" قاری عبد الرحمٰن صاحب قاسمی، مولانا ابراہیم احمد صاحب مظاہری اور مفتی محمود داؤد صاحب کی توجہ اور سعی سے رنگون کے دینی حلقہ میں ہماری آمد کی عام اطلاع ہوگئی تھی، ہمارا قیام چند دن حاجی عبد المجید صاحب سورتی کے مکان پر، پھر دوستوں کے مشورہ سے حاجی احمد علی موکاتی کی کوٹھی پر رہا، جو ایک بڑی نائلون فیکٹری کے مالک اور شہر کے بڑے تجار میں تھے، رنگون میں ایک مہینہ سے زیادہ قیام رہا، جس میں درجنوں نہیں بلکہ بیسیوں تقریریں ہوئیں، جن میں اہل برما کو اس ملک میں اسلام کی حفاظت واشاعت اور یہاں کی آبادی کو اسلام سے متعارف اور مسلمانوں سے مانوس کرنے کے ضروری کام کی طرف متوجہ کیا گیا اور صاف طور پر یہ کہا گیا کہ اگر یہ کام نہ ہوا تو یہاں مسلمانوں کی خیر نہیں، اور نہ ان کی تجارت اور خوش حالی کی کوئی ضمانت ہے پہلی تقریر رنگون کی مشہور سورتی مسجد میں ہوئی، جس میں اس ملت کا دورِ ابراہیمی اور نبوت محمدیؐ سے رشتہ بتا کر ابراہیمی، محمدیؐ تہذیب کی حقیقت بیان کی گئی، اور

---

(۱) نائب ناظم ندوۃ العلماء اور حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کے معتمد خاص و دست راست (متوفی ۲۳ راگست ۱۹۹۹ء)۔

بتایا گیا کہ حب الوطنی اور ابراہیمی محمدیؐ تہذیب میں کوئی تضاد نہیں، ملت ابراہیمی کسی کا اجارہ نہیں، اس کا عملی مظاہرہ اور اس کی نمائندگی ہر ملک اور ہر زبان کے سایہ میں کی جاسکتی ہے، عربی کے بعد تمام زبانیں برابر ہیں، اس لیے برمی مسلمانوں کو برمی زبان میں پوری مہارت پیدا کرنے اور اسلام کے تعارف کی ضرورت ہے اور بتایا گیا کہ وہ کیا حدود اور سرحدی خطوط ہیں جن کی حفاظت کرنی ہے اور ان کے اندر رہ کر پوری آزادی ہے، مجھے یہ معلوم کر کے بڑی خوشی ہوئی کہ حضرت تھانویؒ (۱) جب یہاں تشریف لائے تھے، تو ان کا پہلا وعظ اسی مسجد میں اور ملت ابراہیمی پر ہی ہوا تھا۔

رنگون پہنچ کر ہم نے جو کام کیے، ان میں اولین فرصت میں ہندوستان کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر مرحوم کی قبر پر حاضری اور فاتحہ خوانی تھی، جہاں دل کے داغ، اور دماغ کے تاریخی نقوش تازہ ہوگئے۔

برما کے قیام کے زمانہ میں ایک دو مقامات خاص طور پر مانڈلے اور میمیو Maymyo کا سفر ہوا، برما کے قیام میں اور رشید صاحب منسٹر برما سے خاص تعلق رہا، ندوۃ العلماء کے لیے اچھی رقوم فراہم ہوئیں، لیکن ان کا بہت کم حصہ ہندوستان منتقل ہوسکا، ندوۃ العلماء کا مالی فائدہ تو کم ہوا، لیکن برما کا دینی فائدہ بفضلہٖ تعالیٰ ضرور ہوا، اور برسوں گزر جانے کے بعد اب بھی وہاں کے متعدد دوستوں سے دینی روابط ہیں۔

---

(۱) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۹۴۳ء)۔

ہمارے آنے کے کچھ ہی عرصہ کے بعد وہاں فوجی انقلاب ہوا، اور کمیونسٹ حکومت آگئی اور وہ سب پیش آیا جس کا خطرہ ان تقریروں میں ظاہر کیا گیا تھا اور جو کسی کشف اور خارق عادت چیز پر مبنی نہیں تھا، قرآن مجید کے تھوڑے بہت فہم، اور تاریخ کے مطالعہ نے اس کی طرف رہبری کی تھی، لوگ اب ان تقریروں کے ریکارڈ سنتے ہیں اور تعجب کرتے ہیں۔

(کاروان زندگی، جلد ا، ص: ۴۵۶-۴۵۹)

وراثت ابراہیمی(۱)

نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

"وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْھَا کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ آیَاتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ"(۲)

دوستو! عزیزو اور بزرگو! ہمارے اور آپ کے اوپر سب سے زیادہ اور سب سے بڑا اللہ تبارک وتعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے ہم کو وجود عطا فرمایا۔ اس دنیا میں بھیجا اور زندگی عطا فرمائی، دین اور دنیا کی جتنی بھی نعمتیں، جتنی ترقیاں، جتنے کمالات، جتنی لذتیں اور عزتیں ہیں، سب کا سرچشمہ اور سب کا اصل سبب یہ زندگی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہم کو اور آپ کو عطا کی ہے۔ نہ ہم زندگی کا خلعت پہن کر اس عالم میں آتے اور نہ ایمان کی دولت سے جان کی دولت سے، علم کی دولت سے، اور ان تمام دولتوں سے آشنا اور لطف اندوز ہوتے جو اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس دنیا میں عطا فرمائیں اور ہمارے لیے مقدر کی ہیں۔

---

(۱) یہ وہ اہم تقریر ہے جس کی طرف حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے کاروانِ زندگی میں اشارہ کیا تھا جسے شروع کے صفحات میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے، سفر سے واپسی کے فوراً بعد یہ ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ میں شائع ہوئی۔

(۲) سورۃ آل عمران، آیت: ۱۰۳۔

زندگی

ہماری یہ زندگی ہی ساری ترقیوں، سارے کمالات اور سارے احساسات کی جڑ ہے اور ان کا حقیقی سبب ہے، اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کا فیصلہ ہمارے متعلق اس دنیا میں آنے کا ہوتا ہی نہیں، تو پھر یہ ساری ترقیاں اور یہ سارے کمالات جو انسان کے لیے ممکن ہیں، اور اگر وہ خوش نصیب ہے تو ان کمالات کو حاصل بھی کرتا ہے یہ سب اس کو کچھ نہ ملتا۔ انبیاء علیہم السلام کی نبوت، اولیاء کرام کی ولایت، اہل علم کا علم، اور ان کے علمی کمالات، اہل معرفت کی معرفت اور ان کے عارفانہ مقامات، سب کے سب اس نعمت کا نتیجہ ہیں، بڑی مبارک گھڑی تھی میرے دوستو! جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت اور ارادۂ الٰہی نے ہمارے اور آپ کے لیے اس دنیا میں آنے کا فیصلہ فرمایا۔

زندگی کی نعمت کا شکریہ

بس یہ فیصلہ کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہمارے اوپر گھنگھور گھٹا کی طرح، اور ایک موسلا دھار بارش کی طرح برسیں، اللہ کی اس نعمت ورحمت کی بارش کے قطروں کا کوئی شمار نہیں کرسکتا۔ کیا کوئی بارش کے قطروں کا شمار کرسکتا ہے؟ آپ کا یہ ملک ایک بارشی ملک ہے، یہاں بڑی موسلا دھار بارش ہوتی ہے، کسی ایک گھنٹہ کی بارش کے قطروں اور بوندوں کو کوئی گن سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں جو ہم پر بارش کی طرح برسیں اس بارش کے قطروں کو کون گن سکتا ہے۔ اگر انسان ایک قطرہ کا شکر ادا کرنا چاہے، اور اس کے شکریہ کا حق ادا کرنا

چاہے تو ہرگز نہیں کرسکتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا" (۱)
اگر کبھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شمار کرنے کا تم بیڑا اٹھاؤ تو تم ان نعمتوں کا شمار نہیں کرسکتے۔

زندگی کی اس نعمت کا جتنا بھی شکریہ ادا کیا جائے کم ہے۔ اسی زندگی نے ہم کو اس قابل بنایا کہ ہم اللہ کو پہچانیں، جو سب سے بڑی دولت ہے، اسی زندگی نے ہم کو اس قابل بنایا کہ ہم اللہ کا نام لے سکیں جو سب سے بڑی عزت ہے، اسی زندگی نے ہم کو اس قابل بنایا کہ ہم اللہ کی محبت کو دل میں بسائیں جو سب سے بڑی لذت ہے، اسی زندگی نے ہم کو اس قابل بنایا کہ ہم اللہ کے حقوق کو جانیں، اس کے احسانات کو پہچانیں، جو سب سے بڑی معرفت ہے، اسی زندگی نے ہم کو اس قابل بنایا کہ ہم اللہ کی اس لطیف ہوا میں سانس لیں اور جان ڈالنے والا، زندگی بخشنے والا پانی پئیں اور اللہ کی قدرت کی نشانیوں کو دیکھیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسی زندگی نے ہم کو اس قابل بنایا کہ ہم اس کی نہ فنا ہونے والی نعمتوں کو حاصل کرنے کا حوصلہ پیدا کریں اور اس غیر فانی زندگی کی (جس کا اس کی نعمتوں کے صحیح استعمال سے، صحیح معرفت سے، استحقاق پیدا ہوتا ہے) تمنا کریں اور اس زندگی کے لیے کوشش کریں۔ اس حقیقت کو قرآن مجید واضح کرکے اللہ کی نسبت یوں بیان کررہا ہے کہ:

"اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا" (۲)

---

(۱) سورۂ ابراہیم: ۳۴۔ (۲) سورۃ الملک: ۲

(جس نے زندگی اور موت کو بنایا تا کہ تم کو آزمائے کہ تم میں کون سب سے اچھا عمل کرنے والا ہے)

زندگی کی بدولت

دنیا میں آنے کے بعد جس کو جو کچھ ملا وہ اسی زندگی کی بدولت ملا، اگر ہم اس دنیا میں نہ آتے، اگر فیصلہ خداوندی یہ ہوتا کہ ہم اس دنیا میں نہ آئیں، کروڑوں روحیں ہیں جو اس دنیا میں نہیں آئیں۔ بے چین ہیں اس دنیا میں آنے کے لیے، لیکن فیصلہ خداوندی نہیں ہے ان کے لیے کہ اس دنیا میں آئیں وہ ان تمام کمالات سے، ان تمام ترقیات سے، اس غیر فانی زندگی سے جنت کی نعمتوں سے، اللہ کی معرفت اور ایمان سے محروم رہیں، یہ محض اللہ کا فضل تھا، ہماری ذاتی لیاقت کو اس میں دخل نہیں، ہم نے اس کا استحقاق نہیں پیدا کیا، ان کروڑوں ہستیوں کے مقابلے میں جو زندگی کی اس نعمت سے محروم رہیں ہمیں کوئی ترجیح حاصل نہیں۔ یہ محض اللہ کا فضل ہے، کہ ہم ناچیز انسانوں کے لیے اس نے فیصلہ کیا کہ ہم دنیا میں آئیں، اور اس دنیا میں صحیح طریقہ پر، صحیح راستہ پر، محنت کرکے، اور کوشش کرکے اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کے مستحق بنیں، جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے مقدر فرمائی ہیں، اور ان انسانی کمالات کو حاصل کریں جو انسان کے لیے ممکن ہیں، وہ امکانات وہ کمالات، انسان کی پرواز کی وہ حدیں کہ جہاں تک کسی انسان کا ذہن بھی نہیں پہنچ سکتا۔ ان فضاؤں میں پرواز کے لیے، اور ان کمالات تک پہنچنے کے لیے، انسانیت کی، اپنے ایمان کی، اپنے معرفت

کی، اپنے علم کی، اپنے تعلق باللہ کی تکمیل کرنے کے لیے، اللہ نے ہم کو اس دنیا میں بھیجا اور ہم کو توفیق دی۔

احسان کی تکمیل

یہ اتنا بڑا احسان ہے کہ اگر ہم ساری عمر اسی ایک احسان کو یاد کریں اور اس کا شکر ادا کرنے کی کوشش کریں تو ہم اس سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے، اس سے فارغ نہیں ہو سکتے، لیکن اس احسان کا ایک تکملہ، اور اس احسان کا یوں سمجھئے کہ ایک ضمیر ہے، اس احسان کی اللہ تعالیٰ نے تکمیل اس طرح فرمائی کہ ہمارے اس خاکی جسم میں جو کسی قابل نہ تھا، کثیف، بھاری، وزنی، نیچے کی طرف جانے والا، ٹوٹ پھوٹ جانے والا، فساد کو قبول کرنے والا، بیماریوں کو دعوت دینے والا، بگڑ جانے کے لیے، بکھر جانے کے لیے، مٹ جانے کے لیے، خاک میں مل جانے کے لیے، ہر وقت تیار، مشتاق، اس جسم میں اللہ نے اپنی ایک امانت، ایک سرِ الٰہی اس میں ڈالی، جس کا نام روح ہے، یہ ہمارا جسم خاکی، یہ پنجرہ، یہ قفس بالکل بیکار تھا، مٹی سے بنا تھا، اس کی فطرت مٹی تھی، یہ مٹی ہی میں ملنے کے لیے ہر وقت بے تاب تھا، ہر چیز اپنی اصل کی طرف جاتی ہے، یہ نیچے کی طرف آنے والا جسم، یہ خواہشات سے بھرا ہوا جسم، اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی ایک امانت ودیعت فرمائی۔

روح سرِ الٰہی ہے

ایک سرِ الٰہی، ایک راز اس کی قدرت کا، اس کی حکمت کا، اس کی

صنعت کا ایک راز جس کو روح کہتے ہیں، اس انسان میں ساری استعدادیں، اور ساری صلاحیتیں اس روح کی بدولت پیدا ہوئیں، یہ روح ایک سرالٰہی ہے، خدا کا ایک راز ہے، یہ خزانہ غیب کی ایک چیز ہے، اس کو اللہ تعالیٰ نے اس جسم میں ڈالا تاکہ یہ جسم ان تمام کمالات اور ترقیات کے لیے تیار ہو جائے اور ان کا اہل بنے، اور ان کو قبول کر سکے، جو بغیر اس روح کے اور بغیر اس سرالٰہی کے، بغیر اس مناسبت الٰہی کے، انسان کی رسائی سے باہر تھے، یہ اس احسان کی تکمیل ہے، یہ انسان کی تاریخ کا ایک دوسرا باب ہے۔

روح الروح

لیکن ابھی یہ احسان مکمل نہیں ہوا، اس کے بعد یہ احسان اس طرح مکمل فرمایا کہ اس نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ سے اس میں ایک دوسری جان پیدا کی، ایک جان تو ہے جس کو روح کہتے ہیں، اور جس کو ہم سب، آپ محسوس کرتے ہیں، اور اس کا تجربہ کرتے ہیں اور ایک وہ جان ہے جس کو ایمان کہتے ہیں، جس طریقہ سے ہمارے اس جسم کے لیے یہ روح جسم کی جان ہے، اسی طریقہ سے اس روح کے لیے وہ ایمان جان ہے، اگر اس کو روح جسم کہیے تو اس کو روح الروح کہیے، اگر ہماری یہ روح اس قسم کی جان ہے جس سے کہ ہمارے اس جسم میں حرکت پیدا ہوتی ہے، آنکھوں میں بینائی آتی ہے، کانوں میں شنوائی آتی ہے دماغوں میں سوچنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، دل میں محبت کرنے، خوف کرنے، تعلق پیدا کرنے، درد پیدا کرنے، دردمندی، احساس اور لطافت کی اس میں

صلاحیت پیدا ہوتی ہے، اسی طریقے سے اس روح میں ذکاوت، اس روح میں لطافت، اس روح میں احساس، اس روح میں پرواز، اور اس روح میں بلندی، اس روح میں حرارت اور اس روح میں صحیح معرفت پیدا ہوتی ہے اس ایمان سے۔

روح حیوانی اور روح ایمانی

اللہ نے درحقیقت ہمارے جسم کے اندر دو روحیں پیدا کی ہیں، ایک روح حیوانی، اور ایک روح ایمانی، روح حیوانی کا مخزن تو ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کا وہ خزانہ غیب، جہاں سے روح آتی ہے، اور روح ایمانی کا مخزن ہے، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم، ہم پہلی مرتبہ تو اس حیوانی روح سے زندہ ہوئے اور دوسری مرتبہ اس ایمانی روح سے زندہ ہوئے، اگر اللہ تعالیٰ ہمارے جسم میں صرف جسمانی روح ڈالتا یہ بھی اس کا بڑا فضل تھا، بڑی مہربانی تھی، دنیا میں کروڑوں، اربوں انسانوں میں اس نے وہ روح پیدا کی، آج وہ دنیا میں اپنی زندگی کا مظاہرہ کرتے ہیں، زندگی کا ثبوت دیتے ہیں، ہواؤں میں وہ پرواز کرتے ہیں، سمندروں پر دوڑے دوڑے پھرتے ہیں، اپنی طاقت کا، اپنی حرکت کا، اپنی زندگی کا، اپنی ذہانت کا انہوں نے دنیا میں ثبوت دیدیا، اور جگہ جگہ انہوں نے اپنی زندگی کا نقش قائم کردیا۔

زندہ مگر مردہ!

یہ بھی اس کا بڑا فضل تھا، لیکن اللہ کا یہ احسان تکمیل کے اس درجہ کو نہ پہنچتا

اگر وہ اپنے فضل سے ہمارے اندر روح ایمانی نہ ڈالتا۔ اس بات کو اللہ تعالیٰ نے صاف صاف یوں بیان کیا ہے، اس کا ارشاد ہے:

"اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا".(۱)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بھلا وہ جو مردہ تھا، باوجود روح کے مردہ تھا ایسا بھی ہوتا ہے، روح اندر موجود ہے، کھانے کے لیے زندہ، پینے کے لیے زندہ، بولنے کے لیے زندہ، تماشہ دیکھنے کے لیے زندہ، اپنی قوت کا ثبوت دینے کے لیے زندہ، ظلم کرنے کے لیے زندہ، اپنے نفس کی خواہشوں اور شہوتوں کو پورا کرنے کے لیے زندہ، دوسروں کو مغلوب کرنے کے لیے زندہ، مظلوم پر ظلم کرنے کے لیے زندہ، بیکسوں پر ظلم وستم کرنے کے لیے زندہ، دوسرے انسانوں کو پامال کرنے اور روندنے کے لیے زندہ، ملکوں کو تاراج کرنے کے لیے زندہ، ہزاروں گھروں کے چراغ گل کرنے کے لیے زندہ، ہزاروں توؤں کو ان کے چولھے پر سے اتارنے کے لیے زندہ، لاکھوں انسانوں کا پیٹ پھاڑنے اور کاٹنے کے لیے زندہ، تمام دنیا کو آگ سے اور خون سے بھر دینے کے لیے زندہ، مگر خدا کی معرفت کے لیے مردہ، خدا کے علم صحیح کے لیے مردہ، عدل وانصاف کے لیے مردہ، اپنی انسانیت کو پہچاننے کے لیے مردہ، اپنی زندگی کے مقصد کو جاننے کے لیے مردہ، اللہ کے سامنے ایک مرتبہ سر جھکانے کے لیے مردہ اور بیکار، اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلانے کے لیے مردہ، اللہ کے سامنے دو حرف اپنی التجا کے، مناجات کے، بھیک اور سوال کے کہنے کے لیے مردہ۔

---

(۱) سورۃ الانعام:۱۲۲

حقیقت میں زندہ

تو ایک زندگی کی قسم یہ بھی ہے، محدود زندگی، فانی زندگی، دیکھنے بھر کی زندگی، کہ آدمی اپنے ہاتھ پاؤں کے اعتبار سے زندہ اور ایسا زندہ کہ لاکھوں انسانوں کو اس کی زندگی کے لیے قربان ہو جانا پڑتا ہے، اس کی زندگی کے بھینٹ چڑھ جانا پڑتا ہے، اس کی زندگی کی قیمت ادا کرنے کے لیے قوموں اور ملکوں کو تیار رہنا پڑتا ہے، ایسی زندگی کہ اس پر اللہ کی لاکھوں کروڑوں لعنتیں فرشتوں کی لعنتیں، ارواح مقدسہ کی لعنتیں، اس کے لیے انسان زندہ ہے، ایک غریب اور یتیم کے منھ پر طمانچہ مارنے کے لیے زندہ، اور ایک بیوہ کے سر کا آنچل چھیننے کے لیے، اور اس کو بے ستر کرنے کے لیے زندہ، ایک آدمی جس کے پاس ایک دانہ ہے، ایک لقمہ ہے، اس کا وہ لقمہ بھی چھین لینے کے لیے زندہ، لیکن عدل وانصاف کے لیے اس کی زندگی ختم ہو جاتی ہے، اس کی حرکت ختم ہو جاتی ہے، اس کے اعضا جواب دے جاتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، او من کان میتاً فاحییناہ، بھلا وہ جو اگر چہ زندہ تھا پھر بھی مردہ تھا، دیکھنے میں زندہ تھا لیکن حقیقت میں مردہ تھا، او من کان میتاً ہمارے لیے وہ مردہ تھا، اپنی روح کے لیے مردہ تھا، اپنے انجام کے لیے وہ مردہ تھا، یوں پیٹ بھر کر جانوروں کی طرح کھانے کے لیے وہ زندہ تھا، اور اپنی شہوت رانی اور اپنی نفس پرستی کے لیے وہ زندہ تھا، فاحییناہ ہم نے اس کو زندہ کر دیا، ہم نے اس کی زندگی مکمل کر دی ہم نے اس کو حقیقی معنوں میں زندہ کر دیا، اب وہ زندہ کہلانے کا مستحق ہے۔

زندگی کے بعد روشنی

اور اتنا ہی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے کہ: "وَجَعَلْنَا لَهُ نُوراً يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ" ہم نے اس کو وہ روشنی عطا کی، جس کے سہارے وہ لوگ کے درمیان چلتا پھرتا ہے، جس طرح تم دیکھتے ہو کہ بازاروں میں موٹریں ٹکرا جاتی ہیں، اگر ٹریفک کنٹرول نہ کیا جائے، اگر سپاہی کھڑا نہ ہو، تو موٹر، موٹر سے ٹکرا جائے، ہوائی جہاز، ہوائی جہاز سے ٹکرا جائے، کشتی کشتی سے ٹکرا جائے، اور ایک انسان اندھیرے میں دوسرے انسان سے ٹکرا جاتا ہے۔ اسی طریقہ سے اگر اللہ کی روشنی نہ ہو، اللہ کسی کو روشنی عطا نہ فرمائے، تو انسان انسان سے ٹکرائے، قوم قوم سے ٹکرائے، ملک ملک سے ٹکرائے، تمدن تمدن سے ٹکرائے، تہذیب تہذیب سے ٹکرائے، طاقت طاقت سے ٹکرائے، ایک شخص کا مقصد دوسرے شخص کے مقصد سے ٹکرائے، اغراض میں تصادم ہو، مفادات میں تصادم ہو، انسانیت، انسانیت سے ٹکرائے، انسان انسان سے ٹکرائے، ایک باپ کا بیٹا، باپ سے ٹکرائے، مرد عورت سے ٹکرائے، عورت مرد سے ٹکرائے، فرماتا ہے وجعلنا له نوراً ہم نے اس کو روشنی بھی عطا کی، انسانوں کے جنگل میں چلنے کے لیے ان راستوں میں ان تنگ و تاریک گلیوں میں سے گزرنے کے لیے اس کو چراغ بھی اور مشعل کی بھی ضرورت ہے تو ہم نے اس کو زندگی بھی عطا کی اور روشنی بھی بخشی، وجعلنا له نوراً ہم نے اس کو ایسی روشنی دی، جس کے سہارے وہ لوگوں کے درمیان چلتا پھرتا ہے، ٹکراتا نہیں ہے، بھلے مانسوں کی طرح۔

اللہ کے خاص بندے

اچھے طور وطریق اختیار کرنے، صحیح اسلامی وایمانی زندگی گزارنے اور اللہ کے انعامات کی قدردانی کے بعد وہ خصوصیت وامتیاز حاصل ہوجاتا ہے جو بندوں کو بندوں سے ممتاز کرتا ہے اللہ نے اپنے ان خاص بندوں کی خود اپنے کلام پاک میں تعریف بیان کی ہے سورہ الفرقان کی آخر کی آیتیں اسی سے متعلق ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا". (۱)

اللہ کے وہ بھلے انسان، وہ معقول انسان جو زمین پر شریفوں کے چال چلتے ہیں، بھلے مانسوں اور انسانوں کی طرح چلتے ہیں، یمشون علی الارض ھونا دبے پاؤں چلتے ہیں کہ چیونٹی بھی ان کے پاؤں کے نیچے نہ آنے پائے، کوئی کمزور ہستی ان کے پاؤں سے روندی نہ جائے، کسی پر ظلم نہ ہونے پائے، ان کی زندگی کی حرکت کسی کی زندگی کا خاتمہ نہ کرے، واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما اور جب جاہل ان سے منھ لگتے ہیں تو کہتے ہیں بھائی صاحب! سلامت، معاف کرو، ہمارے پاس اتنا وقت نہیں تم سے لڑنے کا، تم سے بحث کرنے کا۔

انسان کی پستی

دوستو! ہم انسان، اللہ کی دی ہوئی اس روشنی اور عقل کے باوجود صحیح

---

(۱) سورۃ الفرقان: ۶۳

راستہ نہیں پاسکتے، ہم اپنے جیسے انسانوں کے سامنے بلکہ اپنے سے بھی پست تر اور ذلیل تر مخلوقات کے سامنے سر جھکاتے ہیں، انسان کی تاریخ، انسان کی لغزشوں کی نہیں، بلکہ انسان کی حماقتوں اور انسانیت کی رسوائیوں کی ایک مسلسل تاریخ ہے، اگر آپ مذاہب کی تاریخ دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ انسان نے ایسی ایسی ذلیل ہستیوں کے سامنے سر جھکا رکھا تھا کہ جن کو بعض اوقات وہ خود وجود میں لاتا تھا۔ اس حقیقت کو بھی اللہ نے یوں بیان کیا ہے:

"أَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ"(۱)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بھلا تم اس کی پرستش کرتے ہو جن کو تم اپنے ہاتھوں سے بناتے ہو، اس سے بڑھ کر انسان کی حماقت کیا ہوسکتی ہے کہ انسان اپنے ہاتھ سے ایک چیز بناتا ہے اور پھر اس کے سامنے سر جھکاتا ہے، پھر اس کو اپنا خالق و مالک مان لیتا ہے، پہلے بھی اور آج بھی دنیا میں ہر جگہ اس کی مثالیں ہیں کہ انسان نے جس کو، اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ ایمان نہیں عطا فرمایا، یا اس نے انبیاء علیہم السلام کے اس تحفہ کی قدر نہیں کی، اپنے جیسے انسانوں کے سامنے سر جھکایا، انسان نے آگ کے سامنے سر جھکایا۔ انسان نے پانی کے سامنے سر جھکایا، انسان نے درختوں کے سامنے سر جھکایا۔ اپنے ہاتھوں کے لگائے ہوئے درخت کے سامنے سر جھکایا، سینکڑوں، ہزاروں برس تک ایران کی سرزمین میں، جس کی شاعری کی ساری دنیا میں دھوم تھی جس کی ذہانت کا تمام دنیا میں سکہ بیٹھا ہوا تھا، جس نے نوشیرواں کو پیدا کیا، جس نے بڑے

---

(۱) سورۃ الصافات: ۹۵-۹۶

بڑے شاعروں کو پیدا کیا، اس سرزمین میں آگ کی پرستش ہوتی تھی، اور کسی ذہین انسان کے سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آگ کی پرستش نہیں ہونی چاہئے، آگ کے پیدا کرنے والے کی پرستش ہونی چاہئے لیکن انسان جو اپنی تلوار کی دھاک تمام دنیا پر بٹھاتا تھا، جس نے ہزاروں آدمیوں کے چراغ گل کر دیئے تھے، اور ہزاروں زندگی کے اس نے دیے بجھا دیئے تھے، وہ ایک حقیر دیے کے سامنے، ایک حقیر چراغ کے سامنے ہاتھ باندھ کے کھڑا ہوتا تھا، اور سر جھکا کر زمین پر گر جاتا تھا، یہ ہے انسان کی ذہانت اور یہ ہے انسان کی سمجھ۔

مخلوق پرستی

اگر آپ انسان کی ذہانت اور سمجھ کو کہتے ہیں تو انسان کی ذہانت اور سمجھ کے یہ نمونے ہم کو تاریخ کے اندر ملتے ہیں، دریا پوجے گئے، پہاڑ پوجے گئے، آگ پوجی گئی، پانی پوجا گیا، درختوں کی پرستش ہوئی، جانوروں کی پرستش ہوئی، وہ انسان جس نے دریاؤں کو مسخر کیا، جس نے پہاڑوں کو سرنگوں کیا، جس نے دریاؤں کے دھارے بدلے، جس نے پہاڑوں کو کاٹ کر کے نہریں نکالیں، جس نے ویرانوں کو آبادیوں میں تبدیل کیا، وہ انسان جس کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا". (۱) اور ہم نے بنی آدم کو عزت دی ہے اور ہم نے انہیں خشکی اور دریا دونوں میں سوار کیا، اور ہم نے ان کو نفیس چیزیں عطا

---

(۱) سورۃ الاسراء، آیت: ۷۰

کیں اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر بڑی فضیلت دی ہے۔

توحید اور معرفت الٰہی

دوستو! ہم اور آپ خدا کے فضل وکرم سے مسلمان ہیں، لیکن اگر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن ہمارے ہاتھ نہ آتا تو خدا جانے ہم کس دین وملت میں ہوتے، خدا جانے آج ہم کہاں اپنا سر جھکا رہے ہوتے، ہم سے بڑھ کر ہزار درجہ بڑھ کر کتنے بڑے بڑے عقل مند ہیں، کتنے بڑے بڑے فلسفی دنیا میں گزرے اور آج بھی دنیا کے اندر موجود ہیں، جو حقیر حقیر چیزوں کے سامنے سر جھکاتے ہیں اور ان کی پرستش اور عبادت کی دعوت دیتے ہیں، اور کبھی ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ چیزیں عبادت کے لائق نہیں ہیں، عبادت کے لائق صرف اللہ کی ذات ہے، ہمارے اوپر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم کو صحیح معرفت اور توحید کی دولت عطا فرمائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے ذریعے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان والدین سے بڑھ کر ہے

ہمارے والدین کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے جو ہمارے اس دنیا میں آنے کا ذریعہ بنے، ہمارے ظاہری وجود کا ذریعہ ہمارے والدین ہیں، ہم ان کے لیے جتنی بھی دعا کریں کم ہیں، بیشک ان کا ہمارے اوپر بہت بڑا حق ہے ہم یہ حق کبھی نہیں ادا کر سکتے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کا یہ احسان

ہمارے اوپر والدین کے احسان سے اور ان سب لوگوں کے احسان سے جنہوں نے ہمیں کھلایا پلایا، ہمارے اس وجود کی پرورش کی اور ہمارے اس جسم کو پالا، ان سب سے ہزار درجہ بڑھ کر ہے، ہمارے والدین نے ہم کو اس دنیا میں پہنچا کر سمجھا کہ ان کا کام ختم ہوگیا ہے، بیشک ان کا کام ختم ہوگیا، یعنی یہ کہ اللہ نے جس کام کے لیے مامور فرمایا تھا اور اللہ کو ان سے جو خدمت لینی تھی وہ خدمت ان سے لے لی گئی، وہ ہمارے اس دنیا میں آنے کا ذریعہ تھے وہ ذریعہ بن چکے، لیکن خبر نہیں کہ انہوں نے ہم کو جہنم کے لیے وجود دیا یا جنت کے لیے وجود دیا۔ ہوسکتا ہے کہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہوتے، لیکن ایمان کی دولت ہم کو نہ ملتی، معاذ اللہ، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے ہمارے اس وجود کو ٹھکانے لگایا اور اس کو جنت کا مستحق بنادیا، اگر وہ نہ ہوتے تو ہمارا یہ وجود ہمارے لیے مصیبت بن جاتا، اور ہمارے والدین کا ذریعہ ہمارے لیے ایک لعنت ہوتا، والدین کے تذکرے میں بیشک یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم یہ کہیں، ہم ان کو کوئی الزام دیں، لیکن آپ خود سوچیے اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو ماں باپ کا ہم کو وجود میں لانا، ماں باپ کا ہمارے دنیا میں آنے کا ذریعہ بننا، ہمارے حق میں مفید تھا یا مضر تھا؟! اگر رسول اللہ کے ذریعہ سے ہم کو ایمان نہ ملتا تو کیا ہم اپنے باپ کا یہ احسان مانتے کہ وہ دنیا میں ہم کو لے آئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر

جو لکڑی جلنے کے لیے پیدا ہوئی وہ درخت سے نہ کٹتی تو اچھا تھا، وہ

درخت ہی پر رہتی تو اچھا تھا، جو پھل جانوروں کے منھ کے اندر آتا تھا اور پاؤں کے نیچے جس کو مسلا جاتا تھا وہ درخت سے نہ ٹوٹتا تو اچھا تھا، ہم اگر اس دنیا میں نہ آتے، خدانخواستہ ہزار بار خدانخواستہ اگر ایمان کی دولت سے ہم کو محروم ہی رہنا تھا تو ہم اس دنیا میں نہ آتے تو اچھا تھا، ہمارے ماں باپ نے ضرور ہم پر احسان کیا، مگر بہت محدود احسان، مشروط احسان، مخصوص احسان، اس احسان میں جان پیدا ہوتی ہے رسول اللہ کے احسان سے وہ احسان جب احسان ہے، جب رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ سے ایمان کی دولت مل گئی، جب تو بیشک ان کا بہت بڑا احسان ہے کہ وہ ہمارے اس دنیا میں آنے کا ذریعہ بنے، لیکن اگر خدانخواستہ، معاذ اللہ ہم کو ایمان کی دولت نہ ملتی تو اس دنیا میں آکر ہمارا انجام کیا ہوتا، ہمارا انجام یہ ہوتا، وقودھا الناس والحجارۃ۔ اللہ تعالیٰ کا صاف صاف ارشاد ہے:

"یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا قُوْآ اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَاراً وَّقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ"۔(۱)

ناقص ہے ہر احسان، مشروط ہے ہر احسان، رسول اللہ ﷺ ہی کا، احسان ہر نعمت کو نعمت بناتا ہے، ابھی ہم کیا کہہ سکتے ہیں جب تک کہ ہم کو ہمارا انجام نہ معلوم ہو جائے، اگر ہم کو ایمان کی دولت ملی، اگر ہم اس دنیا سے ایمان کے ساتھ رخصت ہوئے، اگر ہم جنت کے مستحق بنے، تو ہم بڑے خوش قسمت ہیں اور سب ہمارے محسن ہیں، یہاں بھی ہم ان کا احسان مانیں گے اور آخرت میں بھی ان کا احسان مانیں گے۔

(۱) سورۃ التحریم:۶

ایمان کی دولت پر کامیابی اور شرافت کا انحصار

ایک واقعہ آپ کو سناتا ہوں، تاریخ کا بڑا اہم سوال ہے، کہ تاتاری اتنی بڑی تعداد میں کیسے مسلمان ہوئے، تاتاری ایک بڑی جنگجو قوم گزری ہے، جس نے کہ ساری دنیا کو ایک مرتبہ زیروزبر کر کے رکھ دیا، وہ خدا کی ایک تلوار تھے، جو چپکے مشرق سے لے کر مغرب تک، آندھی پانی کی طرح دنیا میں پھیل گئے، ان تاتاریوں کو کس نے مسلمان کیا؟ بھلا ان تاتاریوں کو جھکانے والی کون سی طاقت ہوسکتی تھی، جن کی تلوار کے سامنے تلواریں کند ہوگئیں، جن کی تلوار کے سامنے بادشاہوں کے تاج قدموں پر گر گئے، اس تلوار کو نیام میں لانے والی طاقت، اس تلوار کو اسلام کے کام میں لانے والی طاقت کون ہوسکتی ہے، سب سے بڑی طاقت تو دنیا کی وہ تھی، اس سے بڑی طاقت کون سی؟ مورخوں کے سامنے یہ ایک سوال ہے، تاریخ نے اس سوال کا جواب دیا ہے، میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں، جس سے آپ یہ سمجھیں گے کہ ایمان کی دولت کیسی دولت ہے، ایک تاتاری شہزادہ، ولی عہد سلطنت جو ایک بہت بڑی تاتاری مملکت کا حکمراں اور بادشاہ بننے والا تھا، شکار کو جارہا تھا، اس نے انتظام کیا تھا کہ کوئی مسلمان (اس لیے کہ اس کی پوری قوم مسلمانوں کو اور خاص طور پر ایرانیوں کو ذلیل سمجھتی تھی) بادشاہ کی سواری، جس جس راستے سے گزرے وہاں نہ آنے پائے، لیکن خدا کو کچھ اور منظور تھا، ایک درویش جن کا نام شیخ جمال الدین تھا، کہیں جاتے جاتے اس راستے پر ان کے قدم پڑ گئے، اور نادانستہ، بے جانے وہ شہزادے کی

شکارگاہ کے اندر آ گئے، غلاموں نے ان کی مشکیں باندھیں اور ان کو حاضر
کیا، شہزادے نے دیکھا، شہزادے کی پیشانی پر بیسوں بل پڑ گئے، اس لیے کہ
مشرک قومیں، بڑی شگون پرست ہوتی ہیں، اور کہا کہ یہ فقیر! یہ پھٹے حال مسافر،
جس کے کپڑے میں پچاس پیوند ہیں، یہ شامت کا مارا کہاں سے آ گیا، میری
منزل کھوٹی ہوئی، میرا شکار خراب ہوا، شکاریوں کی بہت سی اصطلاحیں ہوتی ہیں،
اور ان کا عرف ہوتا ہے کہ اگر یہ چیز سامنے آ جائے تو ان کا شکار نہیں ہوتا، وہ چیز
سامنے آ جائے تو شکار نہیں ہوتا، بلایا، حکم دیا، لاؤ میرے سامنے، جب وہ آئے
تو کہا کہ کیا تم کو خبر نہیں تھی کہ یہ میری شکارگاہ ہے، کیا تم کو خبر نہیں تھی کہ آج میں
شکار کے لیے نکلا ہوں، انھوں نے کہا کہ مجھے کوئی خبر نہیں تھی، اگر مجھے معلوم ہوتا
کہ یہ بادشاہوں کی شکارگاہ ہے تو میں یہاں نہ آتا، شہزادہ نے پوچھا تم کہاں کے
رہنے والے ہو، کون ہو؟ کہا کہ میں مسلمان ہوں، ایران کا رہنے والا ہوں، اب
دونوں قسم کی "ذلتیں" ان کے اندر جمع ہو گئیں جو اس کی نظر میں ذلیل بنانے والی
تھیں، ایک تو مسلمان اور پھر اس کے بعد ایران کا، کریلا پھر نیم چڑھا جسے کہتے
ہیں، اس نے کہا، اچھا بتاؤ کہ میرا یہ کتا بہتر ہے کہ تم بہتر ہو، بتایئے کیا جواب
ہے؟ ایک عارف کا جواب کیا ہے؟ وہ کہہ سکتے تھے کہ انسان اور کتے کا کیا
مقابلہ؟ میں اشرف المخلوقات ہوں، میں انسان ہوں، اللہ نے مجھے اس دنیا میں
باعزت بنایا ہے بہت سے جوابات ہو سکتے تھے، لیکن اللہ نے ان کے دل میں
ایک جواب ڈالا، بس یہی تاتاری قوم کے مسلمان ہونے کا ذریعہ بنا، شہزادے
نے تیور چڑھا کر کہ آنکھوں سے انگارے برس رہے تھے اور بس جلاد کو حکم ہی

ہونے والا تھا کہ گردن اڑا دی جائے، اس نے کہا کہ بتاؤ تم بہتر ہو کہ یہ کتا بہتر ہے، نہ غصہ آیا، نہ جھنجھلاہٹ ہوئی، نہ دماغی توازن کھویا انھوں نے نہایت اطمینان کے ساتھ کہا اگر ایمان پر خاتمہ ہوا تو میں اچھا ورنہ یہ کتا اچھا، پورے اطمینان کے ساتھ اس اللہ کے بندے نے یہ جواب دیا، اس نے کہا ایمان کسے کہتے ہیں؟! ایمان وہ کیا چیز ہے جس کی وجہ سے ایک انسان، ایک ایرانی، ایک مسلمان کتے سے بہتر ہو جاتا ہے، وہ تو سمجھتا تھا کہ مسلمان کتے سے کسی حال میں بہتر ہو ہی نہیں سکتا، انھوں نے ثابت کیا کہ اگر مسلمان کے اندر حقیقت اسلام پائی جاتی ہے تو پھر وہ کتا کیا معنی؟ بادشاہوں سے بھی اور ملائکہ سے بھی افضل ہے، انھوں نے ایمان کی تشریح کی، ایمان کے معنی ہیں اپنے مالک کو پہچاننا اپنے مالک ہی سے ڈرنا، اپنے مالک ہی سے امید رکھنا، اور اپنے مالک ہی کو یاد کرنا، اور اپنے مالک ہی کی عبادت کرنا، اس کا نام ایمان ہے، شہزادہ ایک بیخودی کے عالم میں مبہوت کھڑا رہ گیا، اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کس طرح کا انسان ہے، بجلی کی طرح ان کا یہ جواب اس کے دماغ پر گرا، اور اس کے دماغ اور دل کو ہلا دیا، اس جواب کی اس کو امید نہ تھی، اس نے کہا اچھا اس وقت تو میں جا رہا ہوں، لیکن اگر آپ کبھی یہ سنیں کہ تغلق تیمور تخت سلطنت پر بیٹھ گیا اور اس کا زمانہ شروع ہو گیا، تو میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ مجھے اپنی زیارت سے مشرف فرمائیں، لہجہ بدل گیا، طرز بدل گیا، اس کا سارا طنطنہ اور اس کا سارا غرور جاتا رہا، یہ ہے مرد حق، مرد درویش، مرد عارف کی آواز، صاحب ایمان کی آواز کا اثر، اس نے کہا جب آپ کو اطلاع ملے، میری تخت نشینی کی، تو میری آپ

سے عاجزانہ درخواست ہے کہ آپ مجھے اپنی زیارت سے ضرور مشرف فرمائیں، وہ انتظار میں رہے کہ کب وہ مبارک گھڑی آتی ہے کہ تغلق تیمور تخت وتاج کا وارث ہوتا ہے۔

تاتاریوں کا قبول اسلام

لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ دولت ان کے لیے نہیں بلکہ ان کے صاحبزادے کے لیے مقدر فرمائی تھی، بوڑھے آدمی تھے، ان کا وقت آگیا، اوران کا یہ ارمان نہیں نکل سکا، انتقال کے وقت انھوں نے اپنے صاحبزادے سے وصیت کی، کہا کہ بیٹا! میرے دل میں ایک ارمان تھا، خدا کو منظور نہیں کہ میرا وہ ارمان نکلے، شاید اللہ نے تمہارے لیے یہ سعادت مقدر کی ہو، دیکھو! جس وقت یہ سنو کہ تغلق تیمور تخت سلطنت پر بیٹھ گیا، اس کے پاس جانا اور میرا اسلام پہنچانا، اور کہنا کہ آپ کو کچھ یاد ہے کہ آپ نے شیخ جمال الدین سے کیا کہا تھا، آپ نے شیخ جمال الدین سے وعدہ لیا تھا ملنے کا، وہ تو نہیں آسکے، ان کو خدا نے بلا لیا، لیکن ان کا بیٹا حاضر ہوا ہے، وہ وقت آگیا، تمام ملک میں یہ خبر گرم ہوئی، کہ تغلق تیمور اپنے باپ کا وارث ہوا، اور تخت سلطنت پر بیٹھ گیا، شیخ جمال الدین کے فرزند پہنچے، ملنے کی کوشش کی، لیکن وہاں کسی نے ان کو جانے نہیں دیا، بادشاہوں کے پاس، درویشوں کو، گداگروں کو کون جانے دیتا ہے، ہٹو، بچو، ہٹو بچو کے اس ریلے میں بیچارے وہ وہاں نہیں پہونچ سکے، کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ بادشاہ سے کس طرح ملیں، اور کس طرح اپنے باپ کا پیغام پہنچائیں، اس اللہ کے بندے نے مصلیٰ

ڈال دیا، قصرِ شاہی کے پاس، اور پانچوں وقت اذان دینے لگے، وہیں مصلیٰ
پر بیٹھ گئے اور دعا کرتے رہے ایک دن صبح کے سنّاٹے میں شہزادے کے کان میں
یہ آواز پڑی، اس نے کہا یہ کیسی آواز ہے؟ میں نے کبھی یہ آواز نہیں سنی، کون شخص
ہے، کہاں سے آیا ہے، لوگوں نے کہا کہ ایک دیوانہ سا آدمی ہے، وہ یہ صدا لگایا
کرتا ہے، معلوم نہیں کیا کیا کہتا ہے؟ کہا، بلاؤ! بلائے گئے، کہا، تم کیا آواز لگاتے
ہو، تمہیں کیسے یہ جرأت ہوئی کہ میرے خاص محل کے نیچے تم آواز لگاؤ،
اور شور کرو، انھوں نے کہا کہ میں شیخ جمال الدین کا بیٹا ہوں، آپ کو یاد ہوگا کہ
ایک مرتبہ آپ شکار کے لیے نکلے تھے، شیخ جمال الدین راستے میں پڑ گئے
تھے، آپ نے ان سے پوچھا تھا کہ کتا بہتر ہے کہ تم بہتر ہو، انہوں نے کہا تھا کہ
اگر ایمان پر خاتمہ ہوا تو میں بہتر ہوں اور اگر خدانخواستہ ایمان کے بغیر میں اس
دنیا سے چلا گیا تو کتا بہتر ہے، میں اس بات کی گواہی دینے آیا ہوں کہ ان کا
ایمان پر خاتمہ ہوا، اور وہ اللہ کے ایک باعزت، اللہ کے ایک مقبول بندے کی
حیثیت سے اس دنیا سے تشریف لے گئے، اور سلام و پیغام میرے حوالہ کر گئے کہ
میں آپ کو ان کا سلام اور ان کا پیغام پہنچاؤں اس نے کہا کہ تم ٹھہرو، میں تمہیں
پھر بلاؤں گا، ان کو تو مہمان خانے میں ٹھہرایا، اور وزیر اعظم کو بلایا، اور کہا کہ
بھائی! ایک بات میرے دل میں بہت دنوں سے ہے، لیکن میں وقت کے انتظار
میں تھا کہ اس کے لیے کوئی مناسب وقت ملے، اب وہ وقت آ گیا ہے، میں تم
سے یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ میرا کچھ ارادہ اسلام لانے کا ہو رہا ہے، وزیر اعظم نے
کہا، جہاں پناہ، میں تو کئی برس سے مسلمان ہوں، میں ایران جایا کرتا تھا، وہاں

ایک درویش سے ملاقات ہوئی، ان کے پاس اٹھنے بیٹھنے لگا میں مسلمان ہوگیا تھا، لیکن آپ کے ڈر سے ظاہر نہیں کرتا تھا، آج جب آپ نے اتنی بات کہی تو مجھے اتنی ہمت ہوئی، انھوں نے کہا، الحمدللہ! آؤ ہم تم کلمہ پڑھیں، اور مسلمان ہو جائیں، اور اس کے بعد ایک ایک کر کے اپنے وزیروں کو اور تمام ارکان سلطنت کو بلایا اور سب کے سب مسلمان ہوئے، اور چند دن کی مدت کے اندر لاکھوں کی قوم مسلمان ہوگئی۔

آپ کہیں گے کہ شاید کسی خوش اعتقاد مصنف نے، کسی صوفی مسلمان نے یہ واقعہ لکھا ہو، میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ پروفیسر آرنلڈ نے جو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے عربی اور تاریخ کے پروفیسر تھے جنھوں نے اسلام کی تبلیغ ودعوت کی تاریخ پر سب سے بڑی مفصل کتاب (Preaching of Islam) پریچنگ آف اسلام لکھی ہے، انھوں نے اس واقعہ کو لکھا ہے اور اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔

احسان کی تکمیل

میں عرض کرتا ہوں کہ بیشک اللہ کا یہ احسان بھی بہت بڑا ہے کہ ہم کو اس نے وجود بخشا، اور ہم کو اس دنیا میں بھیجا، بیشک ہمارے والدین کا احسان بھی تسلیم، کہ وہ ہمارے اس دنیا میں آنے کا ذریعہ بنے، بیشک حکومت کا بھی احسان، استادوں کا بھی احسان، جس جس نے ہماری مدد کی، جس جس نے ہم کو عقل سکھائی، جس جس نے ہم کو انسان بنایا سب کا ہمارے اوپر احسان، لیکن سب سے

یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ۔ جو انسانوں کا شکریہ ادا نہ کرے اللہ کا بھی اس نے شکریہ نہیں ادا کیا، ابھی مولانا نے آپ کے سامنے آیت پڑھی تھی "وَلَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ" (۱)، اللہ تعالیٰ جگہ جگہ شکر کی تلقین کرتا ہے اور اپنی صفتوں میں سے اس نے شکور بیان کیا ہے، قدر کرنے والا، اعتراف کرنے والا، تھوڑی چیز کو بہت سمجھنے والا، بہت اس کی داد دینے والا، بہت اس کی پرورش کرنے والا، بہت ماننے والا۔

ہم سب کا احسان مانتے ہیں، اور سب کا شکریہ ادا کرتے ہیں، لیکن ان سب احسانات کی تکمیل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے احسان سے ہوتی ہے سب کے احسان میں جان پڑتی ہے، اللہ کے اس احسان سے جو اس نے محمد رسول اللہ کے ذریعہ ہم پر فرمایا۔

ہم اور آپ کہاں ہوتے؟

بھائیو! آج اگر رسول اللہ ﷺ کا دامن ہم کو اور آپ کو نہ ملتا، آج اگر اسلام کے مبلغ اس ملک میں نہ آتے، آج اگر اللہ تعالیٰ آپ کو ایمان نصیب نہ کرتا، آپ کس دین وملت میں ہوتے؟ خدانخواستہ کہاں ہوتے؟ کس کس کے سامنے سر جھکا رہے ہوتے؟ کس کس کی خدائی کا آپ اقرار کر رہے ہوتے؟ اور کس کس چیز کو اپنا معبود اور اپنا مالک سمجھتے ہوتے؟ اور کس کس طرح سے اپنی انسانیت کی تذلیل کر رہے ہوتے، آج تمام دنیا میں یہی ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ پر احسان فرمایا، ایسا احسان کہ آپ ساری عمر اس

---

(۱) سورۂ ابراہیم، آیت: ۷۔

احسان کے شکریہ سے سبکدوش نہیں ہو سکتے، کہ اس نے آپ کو بے محنت، بے منت، بے استحقاق، بے استعداد............رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں داخل کیا، اور آپ کو توحید کی دولت عطا فرمائی، شاعر نے وجد میں آ کر کہا ہے کہ ؎

حمد بے حد بر رسول پاک را
آں کہ ایماں داد مشت خاک را

اگر اللہ نے انسان میں جان پیدا کی تو اللہ نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعہ انسان کے اندر ایمان پیدا کیا۔

سیدنا ابراہیمؑ کی شخصیت

اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرک کی نجاست سے بچایا، بت پرستی کی نجاست سے بچایا، اوہام پرستی کی حماقت سے بچایا۔ اپنے جیسے انسانوں کو اپنا معبود، اور اپنی قسمت کا مالک سمجھنے کی جہالت سے بچایا، آپ کے دماغ کو روشن کیا، آپ کے دل کو روشن کیا، آپ کی آنکھیں کھولیں، آپ کو اتنی سمجھ عطا کی کہ آپ سمجھیں کہ عبادت کا مستحق کون ہے؟ بندگی کا مستحق کون ہے؟ خوف کا مستحق کون ہے؟ کس سے ڈرنا چاہئے؟ کس سے امید رکھنی چاہئے؟ کس سے دعا کرنی چاہئے؟ کس سے نذر ونیاز اور منت مانگنی چاہئے؟ کس سے اپنی مرادیں مانگنی چاہئیں؟ کون بحر وبر کا مالک ہے؟ کس کا سکہ خشکی اور تری پر رواں ہے؟ کون ہواؤں کا مالک ہے؟ کون بادلوں کا مالک ہے؟ کون روزی کا مالک ہے؟ کون قسمت کا مالک ہے؟ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے ساتھ سارے پیغمبروں پر اللہ کا

درود وسلام ہو کہ انہوں نے دنیا کے سامنے خالص توحید پیش کی، ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ساری دنیا کے بتکدے میں جب ساری دنیا میں اللہ کو چھوڑ کر سب کی پرستش ہورہی تھی، وہ اللہ کا مست توحید بندہ، مست معرفت بندہ، مست یقین بندہ کھڑا ہوا، ساری دنیا سے باغی، ساری دنیا کے طلسمات سے باغی، ساری دنیا کے عقائد سے باغی، ساری دنیا کے مذاہب سے باغی، سارے خداؤں کی خدائی سے باغی، اکیلا یہ مرد خدا کھڑا ہوا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس صفت وکیفیت کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں بیان کیا ہے:۔

"اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتاً لِلّٰهِ حَنِيْفاً وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ شَاكِراً لِاَنْعُمِهٖ اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيْمٍ ۝ وَآتَيْنَاهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَاِنَّهٗ فِى الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِيْنَ ۝ ثُمَّ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفاً وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ"۔(۱)

"بے شک ابراہیمؑ بڑے مقتدا اللہ کے فرماں بردار اور اس کی طرف یک رخ رہنے والے تھے، اور مشرکوں میں سے نہ تھے، اللہ کی نعمتوں کے بڑے شکر گزار، اللہ نے ان کو چن لیا تھا، اور انہیں سیدھی راہ پر ڈال دیا تھا، اور ہم نے دنیا میں بھی بھلائی دی تھی اور آخرت میں وہ تو صالحین میں ہیں ہی، پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ ابراہیمؑ کے طریقے پر چلیے جو بالکل یک رخ کے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے"۔

ابراہیمؑ اپنی ذات سے ایک تھے، لیکن ایک پوری نسل کے بانی، ایک

(۱) سورۃ النحل، آیت: ۱۲۰-۱۲۳

پورے عہد کے بانی، ایک پوری تاریخ کے بانی، انسانیت کے نئے دور کے بانی، تمدن کے نئے دور کے بانی، ساری مذہبی اقوام کے مورث اعلیٰ اور بانی، توحید کے داعی، وہ ایک تخم تھے، تخم دیکھنے میں ایک، لیکن سارا کھیت اس تخم کا نتیجہ، دانہ ایک لیکن سارا باغ اس ایک دانہ کا نتیجہ، ایک قلم دیکھنے میں ایک گننے میں ایک، لیکن سارا درخت، اپنی پوری شاخوں پتیوں، اور پھولوں کے ساتھ اس کا شرمندہ احسان، اسی طرح ابراہیمؑ ایک تھے، لیکن ایک پوری دنیا تھے، ابراہیمؑ ایک تھے لیکن پوری ایک نوع تھے، پوری ایک قسم تھے، انسانوں کی ایک پوری قسم، انسانوں کا ایک پورا گروہ۔

وہ اللہ کا بندہ سب سے پہلے دنیا میں کھڑا ہوا، جس وقت ساری دنیا میں شرک کا اور بت پرستی کا اندھیرا پھیلا ہوا تھا، بادشاہ پرستی کا، آتش پرستی کا، کواکب پرستی کا، انسان پرستی کا، درخت و شجر و حجر پرستی کا سایہ اور اندھیرا چھایا ہوا تھا، اس وقت وہ اللہ کا بندہ اکیلا کھڑا ہوا اور اس نے کہا

اِنِّی بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ (۱)۔ ہم تم سے بری اور بیزار ہیں، اور ان سب چیزوں سے جن کی تم عبادت اور پرستش کرتے ہو "وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِیْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ" (۲)۔ اور وہ اس عقیدہ توحید کو اپنے اخلاف میں قائم رہنے والی بات کر گئے تا کہ شرک آئندہ بھی توحید کی طرف رجوع کرتے رہیں۔

اور پھر اس توحید کو آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے امانت چھوڑ گئے کہ وہ اس توحید کی طرف آئیں، ساری دنیا سے اس اصل کی طرف آئیں۔ یہ مرکز

(۱) سورۃ الانعام، آیت: ۷۸۔ (۲) سورۃ الزخرف، آیت: ۲۸

ہے انسانوں کا، اس مرکز کی طرف رجوع کریں، یہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا احسان ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت میں ان کی ندا میں، ان کی کوشش اوران کی محنت میں ہم نے بہت بڑی برکت عطا فرمائی۔ قرآن مجید کے الفاظ ہیں:

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِيْنَ ٥ سَلَامٌ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ ٥ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ(۱)۔

اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں یہ بات رہنے دی کہ ابراہیمؑ پر سلام ہو ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ابراہیمؑ کی یادگار باقی رکھنے کا فیصلہ کیا، ہم نے کہا ابراہیم پھیلیں گے، پھولیں گے، اور پھلتے پھولتے ہی چلے جائیں گے، انھوں نے جو درخت لگایا ہے یہ درخت کبھی خشک نہیں ہوگا، انھوں نے جو چشمہ جاری کیا ہے، کبھی اس کا پانی زمین میں جذب نہیں ہوگا، پھیلتا ہی چلا جائے گا، پھیلتا ہی چلا جائے گا، چنانچہ وہی چشمہ ہے جو برما تک پہنچا، ملا بار، ملایا تک پہنچا، انڈونیشیا پہنچا، ہندوستان، فرنگستان تک پہنچا، چین تک پہنچا، ترکستان تک پہنچا، یہ دعوت ابراہیمی ہے جو ساری دنیا میں پھیلی، پھولی اور پھل لائی۔

وطن کی محبت کے ساتھ ساتھ

ہم ہندوستان کے باشندے ہیں یا اس ملک کے باشندے ہیں،

(۱) سورۃ الصافات، آیت: ۱۰۸-۱۱۰

باشندہ ہونے کی حیثیت سے ہم پر اس زمین کے حقوق ہیں، ہم کو حق شناس ہونا چاہیے، ہم کو اس ملک کی خاک سے محبت ہونی چاہیے، انس ہونا چاہیے، اس کو ترقی دینے کے لیے ہمارے اندر جذبہ ہونا چاہیے، ہمیں وہاں کے کلچر اور وہاں کی زبان اور وہاں کی ادبیات سے تعلق اور دلچسپی ہونی چاہیے، ہمیں سیکھنا چاہیے مگر ہمیں اپنی سب سے بڑی دولت، دولت توحید کو سمجھنا چاہیے، ہم سب سے بڑے سرمایہ دار ہیں، ہم غریب ہیں یا فقیر ہیں، ہم ٹکڑوں کے محتاج ہیں، دانے دانے کے محتاج ہیں، ہم رکشا چلاتے ہیں، یا بوجھ اٹھاتے ہیں، ہم نان شبینہ کے محتاج ہیں، فاقہ کرتے ہیں، بھوکے سو جاتے ہیں، لیکن ہم اپنے وقت کے سب سے بڑے دولتمند ہیں، اور سب سے بڑے خوش قسمت ہیں، سب سے بڑے سرمایہ دار ہیں کہ ہمارے سینوں کے اندر توحید کی امانت ہے، توحید کی دولت ہے، ہمیں سب کو دیکھنا چاہیے، لیکن ہمیں سمجھنا چاہیے کہ ہمارا مقام سب سے اونچا ہے، ہمیں اللہ نے توحید کی وہ دولت عطا فرمائی ہے کہ ہمیں اب شرک کی پستیوں تک اترنے کی بالکل ضرورت نہیں، ہم جس وقت کسی معبد کے پاس سے گزریں تو ہمارا سر اللہ کے سامنے احسان مندی اور رسول اللہ کے سامنے اعتراف احسان میں جھک جانا چاہیے اور سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اس پستی سے اٹھا کر مسجدوں کی اس بلندی تک پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ (۱)۔ وہ ایسے گھروں میں ہیں جن کے لیے اللہ نے حکم دیا ہے

(۱) سورۃ النور، آیت: ۳۶۔

کہ ان کا ادب کیا جائے اور ان میں اس کا نام لیا جائے ان میں وہ لوگ صبح وشام اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔

اور اس کا ارشاد ہے:۔

وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَاتَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا(۱)۔

اور جتنے سجدے ہیں سب اللہ کا حق ہیں سو اللہ کے ساتھ کسی اور کو مت پکارو۔

قوم موسیٰ کی تقلید سے بچئے

دوستو! کبھی مشرکانہ چیزوں کی طرف للچائی ہوئی نگاہ سے نہ دیکھنا، ایمان کے سلب ہو جانے کا اندیشہ ہے کہ اللہ نے جس کو اتنی بڑی نعمت عطا فرمائی ہو، وہ ان چیزوں کو کبھی محبت یا احترام یا لالچ کی یا قدر کی نگاہ سے دیکھے اور کہے کہ افسوس ہم کو یہ چیز نہیں ملی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا ذکر کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ان کو توحید کی دولت عطا فرمائی، لیکن وہ ناشکرے اور ناقدرے انسان تھے، انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو کہا اور اس سے ان کی موسیٰ علیہ السلام نے جو سرزنش فرمائی ہے اس کو قرآن مجید نے اس طرح بیان کیا ہے:۔

"قَالُوْا يَا مُوْسَى اجْعَلْ لَنَا اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ○ اِنَّ هٰؤُلَاءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعَالَمِيْنَ"۔(۲)

---

(۱) سورۃ الجن، آیت: ۱۸۔ (۲) سورۃ الاعراف، آیت: ۱۳۸-۱۴۰

''(اس پر بنی اسرائیل کہنے لگے) اے موسیٰ ہمارے لیے بھی ایک دیوتا ایسا ہی بنا دیجئے جیسے ان کے (یہ) دیوتا ہیں (موسیٰ علیہ السلام نے) کہا واقعی تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے، یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں یہ تباہ کر دے گا اور یہ جو کچھ کر رہے ہیں ہے بھی (بالکل) باطل (موسیٰ) نے کہا کیا میں اللہ کے سوا کسی (اور) کو تمہارا معبود تجویز کر دوں درآنحالیکہ وہ تم کو دنیا جہان والوں پر فضیلت دے چکا ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ بنی اسرائیل کو توحید کی سمجھ عطا فرمائی اور توحید کی دولت سے نوازا، ان کے اندر ایمان پیدا کیا، وہ یہ سمجھے کہ اللہ کے سوا اس دنیا میں کوئی پرستش اور بندگی کے لائق نہیں، اور اس کے سوا اس دنیا میں کسی کی حکومت نہیں، لیکن وہ ایسے ناقدردان تھے، ایسے جاہل تھے، کہ انہوں نے ایک مرتبہ ایک میلہ دیکھا کہ خدا کے سوا اور ہستیوں کو لوگ پوج رہے ہیں، اس شرک کو دیکھ کر ان کے منھ میں پانی بھر آیا کہ اگر ایسے ہمارے لیے بت بنا دیا جاتا تو ہم بھی اس کے سامنے جھکتے، ہم بھی اس کے سامنے گھنٹی بجاتے، کیسی رونق ہوتی، کیسا لطف آتا، انھوں نے کہا:۔

قَالُوْا يَا مُوْسَى اجْعَلْ لَنَا إِلٰهاً كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ۔

اے موسیٰ! ذرا ہمارے لیے بھی ایسا ہی کوئی معبود تجویز کر دیجئے جیسا کہ ان کے پاس ہے۔

اپنے وقت کا موحد اعظم، اپنے وقت کا پیغمبر اعظم بولا: انکم قوم تجھلون تم پرلے درجے کے جاہل، پرلے درجے کے نادان ہو، تمہاری عقل پر

پتھر پڑے ہیں، تمہیں نظر نہیں آتا؟ إِنَّ هٰؤُلَاءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيهِ یہ سب کے سب تباہ ہوجانے والے ہیں اور یہ جو کچھ انہوں نے کارخانہ بنایا ہے، سب تباہ ہوجانے والا ہے وباطل ما کانوا یعملون جو یہ کررہے ہیں وہ خاک میں مل جانے والا ہے، وہ کچھ کام آنے والا نہیں، اس کے بعد انہوں نے ذرا سمجھا کر کہا:

قَالَ أَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْغِيكُمْ إِلٰهاً وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعَالَمِيْنَ.

کہا میں خدا کو چھوڑ کر تمہارے لیے اور کوئی خدا لاؤں؟ حالانکہ اس نے تم کو تمام دنیا پر فضیلت دی ہے۔

اللہ کے بندو! خدا تمہارے حال پر رحم کرے، خدا تمہیں عقل اور سمجھ دے، اغیر اللّٰہ ابغیکم الٰہاً میں خدا کو چھوڑ کر تمہارے لیے اور کوئی خدا لاؤں؟ وھو فضلکم علی العٰلمین حالانکہ اس نے تم کو تمام دنیا پر فضیلت دی ہے، اور تم کہتے ہو کہ اس فضیلت دینے والے خدا، احسان کرنے والے خدا، جس نے فرعون کی غلامی سے تم کو نجات دی، اس کو چھوڑ کر میں عاجز اور بے اختیار کوئی خدا تمہارے سامنے لے آؤں۔

ایمان کی حلاوت

حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

"ثلث من کن فیہ وجد حلاوۃ الایمان، ان یکون اللّٰہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما وان یحب المرء لایحبہ الا للّٰہ وان یکرہ ان یعود الی الکفر کما یکرہ ان یلقی فی النار".(۱)

(۱) صحیح بخاری، کتاب الاکراہ، باب من اختار الضرب والقتل والھوان علی الکفر، حدیث نمبر ۶۹۴۱

حدیث کا مطلب ہے کہ تین باتیں جس میں جمع ہوں گی، اس کو ایمان کا ذائقہ معلوم ہوگا، کیا ہیں وہ تین چیزیں، کیا ہیں وہ تین علامتیں، فرماتے ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ ان یکون اللّٰہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما اللہ اور رسول تمام مخلوقات کے مقابلے میں زیادہ محبوب ہوں، جتنی محبت اللہ سے اور اس کے رسول سے، اتنی محبت کسی سے نہیں، نہ اپنی اولاد سے نہ بیوی سے، نہ اپنے سے، نہ والدین سے، نہ دوستوں سے، نہ مال سے، نہ کسی چیز سے اور دوسری بات یہ کہ کسی انسان سے محض اللہ کے لیے محبت کرے۔ لایحبہ الا للّٰہ۔ اور تیسری بات جس کے لیے میں نے یہ حدیث پڑھی ہے وہ یہ ہے کہ اس خیال سے کہ جاہلیت اور کفر کی اس کیفیت کی طرف واپس جاؤں، اور پھر ویسے ہی بت پرستی کرنے لگوں، دوسری چیزوں کے سامنے جھکنے لگوں، اس کے رونگٹے کھڑے ہوجائیں، اور ایسی اس پر کپکپی طاری ہوجائے جیسے کہ آگ میں ڈالے جانے سے کسی انسان کو ڈر معلوم ہو، یہ ہے کہ ایمان کی علامت، یہ سوچ کر کہ میں بھی خدا کے سوا کسی کے سامنے جھکنے لگوں، میں بھی کوئی اور تہذیب اختیار کروں، اس خیال ہی سے اس کے اوپر لرزہ طاری ہوجائے، اور اس کا دم گھٹنے لگے، اور اس کی جان پر بن جائے، اور وہ کہے کہ ہزار بار اللہ کی پناہ، ہزار بار اللہ کی پناہ، جیسے کہ کسی شخص سے کہا جائے کہ میں تم کو آگ میں ڈال دوں۔ اسی طریقے سے کفر اور شرک سے مسلمان کو نفرت ہونی چاہیے، اور اس حالت کی طرف واپس جانے سے اس کے دل میں ایک نفرت اور اس کے اندر ایک خوف اور وحشت طاری ہونی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا. (۱)

اے ایمان والو! اللہ کے احسان کو یاد کرو، کہ تم جہنم کے گڑھے کے بالکل کنارے پر کھڑے ہوئے تھے، اور تمہارے گرنے میں کوئی کسر باقی نہیں تھی کہ فانقذکم منھا اللہ نے تم کو اپنے نبی کے ذریعے سے بال بال بچالیا۔ یہی ہمارا سب کا حال ہے:۔

وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللّٰهُ

اللہ تعالیٰ صاف فرماتا ہے کہ جنت میں جس وقت جنتی جائیں گے تو کہیں گے وما کنا لنھتدی ہم خود اپنی سمجھ سے، اپنی ذاتی عقل کے ذریعہ، اپنی ذاتی سمجھ سے تو یہاں تک پہنچنے والے نہیں تھے، ہماری عقل تو ایسی نہیں تھی، کہ یہاں تک رہبری کرتی۔ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللّٰهُ۔ اللہ تعالیٰ کے پہنچانے کا طریقہ کیا ہے؟ انبیاء علیہم السلام اور خدا کے پیغمبر!

دوستو! عقل ہرگز کافی نہیں، علم ہرگز کافی نہیں، ذہانت ہرگز کافی نہیں، خلوص کافی نہیں، محنت کافی نہیں، مطالعہ کافی نہیں، صرف پیغمبر کا ذریعہ ہے، اللہ تعالیٰ نے پیغمبر ہی کو ذریعہ بنایا ہے صحیح توحید کا، صحیح ایمان کا، صحیح معرفت کا، صحیح تہذیب کا، صحیح انسانیت کا، اس لیے فرماتا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللّٰهُ (۲)۔

شکر ہے اس خدا کا جس نے کہ ہمیں یہاں تک پہنچایا، وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللّٰهُ۔ خود پہنچنے والے نہیں تھے، اگر اللہ ہم کو یہاں تک نہ

(۱) سورۂ آل عمران ۱۰۳۔ (۲) سورۃ الاعراف آیت: ۴۳

پہنچاتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے کس طرح پہنچایا، اللہ ایک ایک کے پاس نہیں جاتا، اللہ ایک ایک کی انگلی پکڑ کے نہیں پہنچاتا، اللہ پیغمبروں کے ذریعہ پہنچاتا ہے، اسی لیے اس آیت کا تکملہ یہ ہے:۔ لقد جاءت رسل ربنا بالحق (بیشک پروردگار کے پیغمبر حق لے کر آئے)

معلوم ہوا کہ ہدایت کا ذریعہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں، پس معرفت وہ صحیح ہے جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ سے پہنچے، توحید وہ صحیح ہے حضرات انبیاء جس کو کہیں کہ یہ توحید ہے، سیدنا ابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ اور محمد رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام جس کو کہیں کہ اللہ کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا چاہئے وہی عقیدہ ہے، ساری دنیا جو کہے غلط، ہماری عقل جو کہے، غلط، فلسفی جو کہے، غلط، ادیب اور شاعر جو کہے، غلط، اور اللہ کے پیغمبر جو کہیں، وہ صحیح، اس لیے کہ وہی دیکھ کر کہتے ہیں اور وہی دیکھ کر کے آئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہی کو صحیح سمجھ عطا فرمائی ہے۔

لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ۔(۱)

اور پیغمبروں کی تہذیب ہی صحیح انسانی تہذیب ہے۔

صحیح تہذیب سیکھنی ہے، تو اس کا ذریعہ صرف پیغمبروں کی ذات ہے، اسی لیے حضرت سلمان فارسیؓ سے ایک یہودی نے کہا:۔

یعلمکم نبیکم کل شئی حتی الخراءۃ قال اجل نہانا ان نستقبل القبلۃ او نستدبرھا بغائط او بول۔(۲)

حضرت سلمان فارسیؓ جو ایرانی النسل تھے، وہ مسلمان ہوئے تو ایک

---

(۱) سورۃ الاعراف، آیت ۴۳۔ (۲) سنن ترمذی، ابواب الطہارۃ، باب الاستنجاء بالحجارۃ، رقم الحدیث: ۱۶

یہودی نے ان سے چھیڑنے کے لیے کہا، کہ تمہارے نبی جو ہیں وہ تم کو چھوٹی چھوٹی باتیں سکھاتے ہیں، ہگنا موتنا تک سکھاتے ہیں، حضرت سلمان فارسیؓ نے اس پر کوئی احتجاج نہیں کیا، انکار بھی نہیں کیا، اور چڑے بھی نہیں، انھوں نے کہا، ہاں! ہاں سکھاتے ہیں، ہمیں ہگنا، موتنا ہمیں اپنی ضروریات بشری پورا کرنا بھی نہیں آتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ہر بات سکھائی، اور ہم کو آدمی بنایا، ایسا آج دنیا کی تہذیبوں میں نہ کوئی شعور ہے نہ اخلاق ہیں، نہ تعلقات صحیح، نہ تعلقات کے صحیح حدود، نہ معاملات کے صحیح حدود ہیں، یہ سب پیغمبروں کی تہذیب ہے، کھانے پینے سے لے کر مرنے اور مرنے کے بعد کی تمام منزلیں اللہ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ بتائی ہیں۔

ایمان کی حفاظت کرو

معلوم نہیں اللہ کے وہ کون مقبول بندے تھے، جو اس ملک میں آئے اور جن کی بدولت آج تم مسلمان ہو، ہم ان کا نام نہیں جانتے مگر ہم ان کے حق میں دعا کرتے ہیں، ہمیں ان کا نام جاننے کی کچھ ضرورت نہیں، اور ان کو اپنا نام ہمیں بتانے کی بالکل ضرورت نہیں، انہوں نے جس کے لیے کیا تھا، وہ ان کو ان کے عمل کا انعام دے گا، اور ان کے عمل کا انعام دے رہا ہے، لیکن ہم کو اور تم کو شکر کرنا چاہیے کوئی بھی ذریعہ بنا، اللہ نے ہم کو ایمان کی دولت نصیب فرمائی، اس دولت کو قائم رکھنا، اس دولت کو پھیلانا، اور باقی رکھنا اور اپنی آئندہ نسلوں تک اس دولت کو منتقل کرنا تمہارا فرض ہے، بیشک کھاؤ، پیو، بیشک دکانیں کرو، بیشک خوب

کماؤ اور تجارت کرو، کوئی تم کو نہیں روکتا، لیکن تمہارا پہلا فرض یہ ہے کہ تم اپنی اولاد کو اس تہذیب کا وارث بناؤ، اپنی اولاد کو اس توحید کا وارث بناؤ تم پر تمہارا سب سے بڑا ظلم ہوگا، تمہاری یہ خود کشی، اور نسل کشی ہوگی، اگر تم اپنی اولاد کو اس دولت سے محروم رکھو اور محروم دیکھو، اللہ نے تم کو جو دولت عطا فرمائی ہے، اپنی اولاد کو یہ دولت عطا کرو، ان کو اسلامی تعلیم دو، ان کو اللہ اور رسول کی پہچان کراؤ، توحید کی محبت ان کے دل میں بٹھاؤ، اسلامی تہذیب سے عشق اور اسلامی تہذیب سے وابستگی اور اسلامی تہذیب سے شیفتگی، ان کے اندر پیدا کراؤ۔

ان کو بتاؤ کہ اسی پر جینا بھی ہے، اسی پر مرنا بھی ہے۔

وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ. (۱)

آدمی اگر خدانخواستہ کفر کے ساتھ گیا، جہالت کے ساتھ گیا، ایمان سے محروم چلا گیا تو اس کی بدبختی، اور اس کی محرومی ہمیشہ قائم رہے گی، فاقہ ہے ایک دن کا، دو دن کا، لیکن یہ روحانی فاقہ ایسا ہے جس کی کبھی روزہ کشائی نہیں، یہ جسم کا روزہ، شام کو افطار ہو جاتا ہے اس کا، ایک دن میں نہ ہو، دوسرے دن افطار ہو جاتا ہے، لیکن اگر خدانخواستہ، روح کا روزہ ہے، روح کا فاقہ ہے، اس کا افطار کہیں نہیں، اپنی اولاد کو سب سے بڑا تحفہ جو دے سکتے ہو، سب سے بڑا ان کا حق جو تم پر ہے، اور سب سے بڑا ذمہ جو ان کا تمہارے ذمہ ہے، وہ ہے ان کو صحیح اسلامی تعلیم دینا، اس کے لیے مدارس ہیں، اس کے لیے مکاتب ہیں، اس کے لیے اسلامی تعلیم گاہیں، اس کے لیے صحبتیں ہیں، اس کے لیے تبلیغ ہے، اس کے لیے خانقاہیں

(۱) سورہ آل عمران: ۱۰۲

ہیں، اس کے لیے اللہ کے بندے ہیں، عالم ہیں، درویش ہیں، سب اسی لیے ہے کہ ایمان کی دولت باقی رہے اور ایمان کی دولت ہمارے ساتھ جائے۔

ابراہیمی شعار

دوستو! تمہارا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ تم اپنے کو مسلمان سمجھو، خاندانی حیثیت سے تم جو کچھ ہو، لیکن روحانی اور ایمانی حیثیت سے تمہارا اور ہمارا خاندان ایک ہے، مراکش سے لے کر چین تک سارے مسلمانوں کا خاندان ایک ہے اور وہ خاندان ابراہیمی ہے، وہ خاندان محمدی ہے، ہم سب خاندان ابراہیمی میں داخل ہیں، اس خاندان کا سب سے بڑا شعار اوّلین شعار ہے توحید، اس خاندان کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے پہلے فرد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر اس خاندان کے آخری فرد تک توحید کا سلسلہ باقی رہے گا۔

سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ان کی بات قرآن مجید میں بیان کی ہے:

"وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ ○ رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ". (۱)

"اور وہ وقت یاد کرو جب ابراہیمؑ نے عرض کی کہ اے میرے پروردگار اس شہر (مکہ) کو امن والا بنادے، اور مجھ کو اور میرے فرزندوں کو اس سے بچائے رکھ کہ

---

(۱) سورۂ ابراہیم، آیت ۳۵-۳۶

ہم لوگ مورتی پوجا کرنے لگیں، اے میرے پروردگار ان (مورتیوں) نے بہتیرے آدمیوں کو گمراہ کردیا ہے سو جو کوئی میری راہ پر چلے گا وہ تو میرا ہی ہے اور جو کوئی میری نافرمانی کرے تو تو بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے"۔

سب سے بڑی جو لو لگی ہوئی ہے ان کو، وہ یہ ہے کہ اے اللہ مجھے اور میری اولاد کو شرک کی لعنت سے بچا، خاندان ابراہیمی کا سب سے بڑا شعار خاندان ابراہیمی کا طرۂ امتیاز خاندان ابراہیمی کا تعارف، خاندان ابراہیمی کی دنیا میں شناخت کیا ہے، جہاں بھی خاندان کا کوئی فرد ہے، توحید کا جھنڈا ہاتھ میں لئے ہوئے ہے، سارے مشرکانہ نظاموں سے باغی، سب سے منحرف، سب سے مختلف، سب سے ہٹا ہوا، سب کا انکاری، بس ہر جگہ جہاں بھی ہے، کوئی ابراہیمی ہو یہی کہتا ہے کہ میں اللہ ہی کو جانتا ہوں، بس وہی ہے۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کی صراحت کو قرآن مجید صاف صاف یوں بیان کرتا ہے جب انہوں نے اپنی قوم کے سامنے پوری وضاحت سے اللہ کے انعامات اور اس کی توحید کو بیان کرتے ہوئے پوری وضاحت سے یہ بات کہی کہ:

"اَلَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ۝ وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ۝ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ۝ وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ"۔(۱)

"جس نے مجھ کو پیدا کیا پھر وہی میری رہنمائی کرتا ہے اور وہی مجھ کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے

(۱) سورۃ الشعراء، آیت: ۷۸-۸۱۔

اور وہی مجھے موت دے گا اور پھر مجھے زندہ کرے گا"۔

ابراہیمی خاندان کا پہلا شعار یہی توحید ہے، ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کی ابتدا اسی سے ہوئی، اور زندگی کی انتہاء اسی پر ہوئی، اپنے باپ سے اسی بنا پر جدا ہوئے، اور اپنے ملک سے اسی بنا پر نکلے اور اسی بنا پر خاندان تعمیر کیا، اسی نام پر انہوں نے خانہ کعبہ تعمیر کیا، اور اسی کے نام پر انھوں نے اپنی اولاد کو یہاں بسایا اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جو جذبات تھے اس کی تصویر قرآن مجید نے بہت خوب کھینچی ہے اس کے الفاظ ہیں:

"رَبَّنَا إِنِّيْ أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ"۔(١)

"اے ہمارے پروردگار گو میں نے اپنی کچھ اولاد کو ایک بے زراعت میدان میں آباد کر دیا ہے تیرے معظم گھر کے قریب (یہ اس لیے) اے ہمارے پروردگار کہ وہ لوگ نماز کا اہتمام کریں"۔

دوسرا شعار

دوسرا شعار اس خاندان کا کیا ہے؟ اس کی تہذیب، ایمان کی تہذیب خدا کی تہذیب ہے، اللہ کا نام، اس کی پوری تہذیب میں، پوری معاشرت میں بسا ہوا ہے، رچا ہوا ہے، اترا ہوا ہے، اس کی پوری تہذیب و معاشرت اللہ کے نام میں اور اللہ کے تعلق میں ڈوبی ہوئی ہے اور رنگی ہوئی ہے"۔

"صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً"۔(٢) "ہمارے اوپر اللہ

---

(١) سورۃ ابراہیم، آیت:٣٧۔ (٢) سورۃ البقرۃ، آیت:١٣٨۔

کا رنگ ہے اور اللہ سے بہتر کون رنگ دینے والا ہے''۔

دکان پر دیکھو تو اللہ والا، کھلیان میں دیکھو تو اللہ والا، تجارت کرتا ہوا پاؤ گے تو اللہ والا، لڑتا ہوا پاؤ گے تو اللہ کے نام پر، کھاتا ہوا دیکھو گے تو اللہ کے نام سے، اللہ کا نام لے کر کھانا، اللہ کے نام پر کھانا ختم کرنا اور شکر ادا کرنا، اللہ کے نام پر جینا، اللہ کے نام پر مرنا، اللہ کے نام پر ملنا، اللہ کے نام پر جدا ہونا، اللہ کا نام لیتے ہوئے کپڑا پہننا اور اللہ کا نام لیتے ہوئے کپڑا اتارنا، آئے دنیا میں تو اذان اس کے کان میں دی جا رہی ہے، حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح، کچھ نہیں سنتا، کچھ نہیں سمجھتا، مگر کان میں اذان دی جا رہی ہے، ندا ئے ابراہیمی، کہ وہ سمجھ جائے کہ مجھے اس نظام سے ہمیشہ وابستہ رہنا ہے، پہلی آواز جو کان میں پڑی ہے، وہ خدا کا نام ہے، اور جب وہ دنیا سے جائے تو اس دعا کے ساتھ:

"فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ".(۱)

''اے آسمانوں وزمین کے خالق تو ہی میرا کارساز دنیا اور آخرت میں ہے، مجھے دنیا سے (اپنا) فرماں بردار اٹھا اور مجھے صالحین میں جا ملا''۔

اور " اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ".

جب اس کی نماز پڑھی جائے تو اس میں بھی یہی دعا کی جائے کہ:

"اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَانِ".(۲)

---

(۱) سورۃ یوسف، آیت: ۱۰۱۔ (۲) ابوداؤد، کتاب الجنائز، رقم الحدیث: ۳۲۰۱۔

اے اللہ ہم میں سے کسی کو زندہ رکھ تو ایمان پر زندہ رکھ، دنیا سے اٹھا تو ایمان پر اٹھا..... جب تک زندہ رکھنا اسلام پر زندہ رکھنا اس نظام اطاعت اور نظام عبودیت پر زندہ رکھنا جو تو نے پسند کیا ہے۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الْاِسْلَامُ. (۱) ''یقیناً دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے''۔

اور جب اس دنیا سے اٹھانا تو ایمان پر اٹھانا، تیرا کلمہ پڑھتے ہوئے ہم اس دنیا سے جائیں، جب اس ابراہیمی کو قبر میں رکھتے ہیں تو کہتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ وَعَلٰی مِلَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ

اللہ کے نام پر اور رسول اللہ ﷺ کی ملت پر۔

مراکش سے چین تک

خاندان ابراہیمی جو مراکش سے چین تک ہے، جس کا ایک گھرانا یہاں بیٹھا ہوا ہے، برما میں، دوسرا گھرانا ملایا میں، تیسرا گھرانا پڑا ہوا ہے انڈونیشیا میں، چوتھا گھرانا پڑا ہوا ہے ہندوستان و پاکستان میں، اور ایک گھرانا خاص اس دیوار کے سایہ کے نیچے پڑا ہوا ہے، عرب میں، اور کوئی دریائے نیل کے کنارے اور کوئی خلیج فارس کے کنارے، ساری دنیا میں ابراہیم کا گھرانا پھیلا ہوا ہے، دنیا کا کوئی مقام ان کی برکت سے خالی نہیں

سرکوہِ آدم سے تا کوہ بیضا
جہاں جاؤ گے پاؤ گے کھوج ان کا

---

(۱) سورۃ آل عمران، آیت:۱۹

اس خاندان کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کی تہذیب، اس کی معاشرت، اس کی تعلیم، اس کی پوری زندگی اللہ کے نام میں بسی ہوئی ہے، جیسے خوشبو میں کوئی چیز بسا دی جاتی ہے۔

جمال ہم نشیں درمن اثر کرد
وگرنہ من ہمہ خاکم کہ ہستم

ہمارا یہ جسم مٹی کا ہے، ہمارے یہ کپڑے کپاس اور ریشم کے ہیں، اور ہمارے یہ برتن اور ہمارا یہ کھانا سب کا تعلق خاکی چیزوں سے ہے۔ لیکن یہ سب اللہ کے نام میں بسا دی گئی ہیں، اس خوشبو میں بسائی گئی ہیں، مہینوں خوشبو کے اندر رکھ کر بسائی گئی ہیں اب اس میں بس گئی ہیں، عطر ابراہیمی میں ہماری پوری تہذیب بس گئی ہے، اگر تم چاہو پچاس مرتبہ دھو ہزار مرتبہ دھو، اس عطر کی خوشبو اس سے جا نہیں سکتی، ابراہیم علیہ السلام نے ایسا اس کو غوطہ دیا تھا، ایسا رنگا تھا صبغۃ اللہ میں کہ اب یہ رنگ اس کا اتر نہیں سکتا، کتنا ہی رنگ اس پر چڑھاؤ، کوئی رنگ اس پر چڑھ نہیں سکتا۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً.(۱)

اللہ کا رنگ اور اس کے رنگ سے زیادہ پیارا اور زیادہ دلفریب کوئی رنگ نہیں ہے۔

---

(۱) سورۃ البقرۃ، آیت: ۱۳۸

تیسرا شعار

تیسری خصوصیت خاندان ابراہیمی کی کیا ہے، جہاں رہے گا باطل سے کش مکش کرتا رہے گا، حق کے لیے لڑتا رہے گا، توحید کی صدا بلند کرتا رہے گا، اللہ کے راستے کی طرف سب کو بلاتا رہے گا، یہ سعادت قیامت تک کے لیے خاندان ابراہیمی کے لیے......... مقدر ہو چکی ہے، جس نے اللہ کے نام کا جھنڈا بلند کیا دنیا کے کسی گوشے اور کسی حصے میں اگر سراغ لگاؤ گے، اور تحقیق کرو گے تو سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس کا رشتہ ملتا ہوگا۔ آج ساری دنیا میں بار بار جنگیں ہوئیں، دو دو جنگیں ہو چکی ہیں، لیکن یہ خاندان ابراہیمی کی جنگ نہیں تھی، اس جنگ میں خاندان ابراہیمی کی کوئی شاخ فریق نہیں تھی، یہ پیٹ کے لیے تھی، یہ بازاروں کے لیے مارکیٹ حاصل کرنے کے لیے تھی، یہ ہوا و ہوس کی جنگ تھی، اس لیے کہ یہ خاندان ابراہیمی کی طرف سے نہیں لڑی گئی تھی۔

آج ساری دنیا میں جس کو دیکھو گے کہ وہ اللہ کا نام لیتا ہے اللہ کا نام دوسروں کو سکھاتا ہے اور اللہ کے نام کی تلقین کرتا ہے، اگر تحقیق کرو تو وہ ابراہیمی نکلے گا، اس کا تعلق دور سے یا قریب سے، سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے نکلے گا، یا ان کی صلبی اولاد میں ہے یا ان کے غلاموں کے ذریعے سے وہ ان کے معنوی خاندان میں داخل ہو چکا ہے، قیامت تک کے لیے توحید کا اعلان، قیامت تک کے لیے ایمان کی دعوت، قیامت تک کے لیے خوف خدا اور فکر آخرت کی دعوت، قیامت کے لیے دینی جدوجہد کو اللہ تعالیٰ نے خاندان ابراہیمی سپرد کر دیا ہے،

ہر جگہ ہر زمانہ میں خاندان ابراہیمی کا کوئی سرپھرا ملاح موجوں سے ٹکراتا رہے گا، کشتی کو کنارے لگاتا رہے گا، دھارے کے خلاف اس کشتی کو چلاتا رہے گا، بازو شل ہوجاتے ہیں، پتوار جواب دے جاتے ہیں۔ موجیں گستاخیاں کرتی ہیں، مگر خاندان ابراہیمی کا ملاح ہے کہ

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیئے ہیں اندازِ خسروانہ

دامن کے اندر چراغ کو لے کر چھپائے گا، سینے سے لگائے گا، ہزار بار اس پر جھک جائے گا، سپر بن جائے گا، مگر چراغ کو سینے سے لگائے ہوئے، اولاد کی پروا نہیں، عزیزوں کی پروا نہیں، مگر اللہ کا چراغ گل نہ ہونے پائے، اس کی فکر، یہ جنون اگر تم کو ملے گا، یہ فکر اگر تم کو ملے گی، یہ عشق کیشی اگر تم کو ملے گی تو سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام اور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان اور ان کے نام لیواؤں میں، پیٹ کے لیے لڑنے والے بہت، اقتدار کے لیے لڑنے والے بہت، نفس کے لیے لڑنے والے بہت، عزت کے لیے لڑنے والے بہت، کرسیوں کے لیے لڑنے والے بہت، اللہ کے لیے لڑنے والا ایک، اور وہ ابراہیم۔

بڑی خوش قسمتی

میرے بھائیو! خوش قسمت ہو کہ تم کو اللہ نے اس خاندان میں داخل کیا، خاندان ابراہیمی سے وابستہ ہونا، اللہ کے غلاموں میں داخل ہونا سب سے

بڑی خوش قسمتی، سب سے بڑی سعادت اور سب سے بڑی عزت ہے، اللہ نے بڑا فضل فرمایا ہے کہ اللہ نے ہمیں اس بابرکت خاندان میں اور اس بابرکت درخت کے سائے میں لے لیا، پس ہم اس دولت سے کبھی محروم نہ ہو جائیں، خدا کے لیے اس دولت کو سینے سے لگائے رکھنا، برما میں رہتے ہو کہ ملایا میں، ترکستان میں بستے ہو کہ چین میں، ہندوستان میں رہتے ہو کہ فرنگستان میں رہتے ہو، دارالاسلام میں رہتے ہو یا کفرستان میں، جہاں رہو اس کا نام لیتے رہو، جہاں رہو اللہ کے سامنے سر جھکاتے رہو، ان مسجدوں سے متعلق رہو، اللہ کے نام سے متعلق رہو، اپنے کو ابراہیمی کہتے رہو، جو زبان چاہے بولو، جیسا لباس چاہو (بشرطیکہ وہ شریعت کے مطابق ہو) پہنو، مگر ابراہیم کی تہذیب کو سب سے اعلیٰ تہذیب سمجھو، اس سے محبت کرو، اور اس کو اپنی سعادت سمجھو۔

وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللّٰهُ

ہم ہرگز اس قابل نہیں تھے کہ ہم پر اللہ تعالیٰ اتنا بڑا فضل فرماتا، ہم کو گھر بیٹھے یہ دولت عطا فرماتا اور یہ نعمت ہمارے گھر بھیجتا، اور برما اور ملایا میں رہ کر ہم اسلام کو قبول کرتے، مگر اللہ نے ہم کو یہ دولت نصیب فرمائی۔

"ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ". (۱)

"یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے، اور اللہ بڑا فضل والا ہے"۔

دولت ایمانی کی حفاظت

پس اللہ نے تم کو یہ دولت عطا فرمائی ہے، اب اس دولت کی حفاظت

---

(۱) سورۃ الجمعۃ: ۴

کرو، اس دولت کو سینے سے لگائے رکھو، اپنی اولاد کو اس دولت میں شریک کرو، آئندہ نسلوں کے لیے ایمان کی دولت کو قائم رکھو، اس کے لیے کوشش کرو کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہی شیوہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور سب سے فرماتا ہے:۔

"وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَٰذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ۚ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ ۖ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ".(۱)

''اور اللہ کے کام میں کوشش کرتے رہو جو اس کی کوشش کا حق ہے اس نے تمہیں برگزیدہ کیا اور اس نے تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں کی تم اپنے باپ ابراہیمؑ کی ملت (پر قائم رہو) اسی نے تمہیں مسلم قرار دیا پہلے بھی اور اس قرآن میں بھی تاکہ رسول تمہارے اوپر گواہ ہوں اور تم سب لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ٹھہرو۔ سو تم لوگ نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ اور اللہ ہی کو مضبوط پکڑے رہو۔ وہی تمہارا کارساز ہے سو کیسا اچھا کارساز ہے اور کیسا اچھا مددگار''۔

فرماتا ہے وجاھدوا فی اللہ حق جہادہ اللہ کے راستے میں ہر طرح کی کوششیں کرو کیوں؟ ھو اجتباکم اس نے تم کو چن لیا، تم کہاں اس قابل تھے؟ اے برمی بھائیو! اے ہندوستانی بھائیو۔ اے پاکستانی بھائیو، اے ترکستانی بھائیو! تم کہاں اس قابل تھے کہ اللہ اتنی بڑی دولت نصیب کرے، ایمان کی دولت سے تم کو نوازا ہے، ھو اجتباکم اس نے تم کو ہزاروں قوموں میں سے اور لاکھوں

(۱) سورۃ الحج، آیت: ۷۸

انسانوں میں سے اور کروڑوں کے گلوں اور مخلوقات میں سے، اس نے تم کو انتخاب کیا۔ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ۔ اور تم کو ایسا آسان دین عطا فرمایا، کہ جس میں کوئی دقت نہیں، اس میں یہ نہیں کہ اپنی انسانیت کو خاک میں ملا دو، اس میں یہ نہیں کہ راہب بن جاؤ اور جوگی بن جاؤ، اس میں یہ نہیں کہ شادی نہ کرو، اس میں یہ نہیں کہ گیروا لباس پہنو، اس میں یہ نہیں ہے کہ اپنے گھر کو اور اپنے گھر والوں کو غلام بناؤ، اور ان کا منھ دیکھنے کے بھی روادار نہ ہو، اس میں یہ نہیں ہے کہ مکان نہ بناؤ اور مکان میں نہ رہو۔ ''مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ'' اس نے ایسا دین عطا فرمایا جو تمہارے لیے آسان ہو، اس میں کوئی بندش نہیں ہے، اس میں فطرت کے خلاف تم سے کوئی مطالبہ نہیں ہے۔ ''مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ'' تمہارے مورثِ اعلیٰ سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دین ''هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ'' انھوں نے تمہارا نام، یہ پیارا نام مسلمان انہوں نے رکھا، انہوں نے سب سے پہلے تم کو مسلمان کے نام سے پکارا۔ مِنْ قَبْلُ اس سے پہلے جب تم نہیں تھے، تمہاری نسل نہیں تھی، وَفِي هَذَا اور پھر اس کے بعد اللہ نے تم کو اس نام سے یاد فرمایا ''لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ'' تاکہ رسول تمہارے اوپر گواہ ہے ''وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ'' اور پھر تم ساری دنیا کے لیے گواہ بنو، رسول تمہارے لیے نمونہ اور تم ساری دنیا کے لیے نمونہ۔

تہذیب ابراہیمی کی حفاظت

پس میرے دوستو! اس ابراہیمی تہذیب کو جان سے زیادہ عزیز سمجھو،

فلاتموتن الا وانتم مسلمون۔ نہ مرنا مگر مسلمان، سچے اور پکے مسلمان، موحد اور مومن مسلمان، اللہ کے سوا کسی کو معبود نہ سمجھنے والا مسلمان، خدا کے سوا سب سے بے خوف، کسی سے نہ ڈرنے والا مسلمان خدا کے سوا ہر کسی سے بے طمع، ایک اسی کی طمع کرنے والا مسلمان، خدا کے سوا سب سے پیٹھ پھیر کر، حنیفاً مسلماً اور اسی کی طرف رخ کرنے والا مسلمان، یہی ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیت ہے۔

"حنیفاً مسلماً وما کان من المشرکین"

سب سے کٹ کر اسی سے جڑ جانے والا، سب سے پھر کر اسی کے در پر پڑ جانے والا، سب سے روٹھ کر اسی ایک کا ہو جانے والا، سب سے ہٹ کر اسی ایک سے مل جانے والا، یہی شان تھی ابراہیم علیہ السلام کی اور یہی شان ہونی چاہئے اس خاندان کی، بس اپنے اس خاندان کی آن کو، اس خاندان کی شان کو، اپنے اس خاندان کی آن بان کو اور اپنے اس خاندان کی میراث کو قائم رکھو، اور یہاں اس دنیا میں ایمان کے ساتھ رہو، ایمان اور عافیت کے ساتھ اس طرح سے جاؤ کہ اللہ کی طرف سے آواز آئے، روح القدس کی طرف سے یہ پیغام سنایا جائے۔

"یٰاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ۝ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ۝ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ۝". (۱)

"اے اطمینان والی روح تو اپنے پروردگار کی طرف چل خوش ہوتی

(۱) سورۃ الفجر، آیت: ۲۷-۳۰

ہوئی اور خوش کرتی ہوئی، پھر تو میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا"۔

اے نفس مطمئنہ، وہ نفس جو اطمینان سے رہتا تھا، اطمینان اس کی فطرت بن گئی تھی، اپنے پروردگار کی طرف خوش خوش جاؤ، خوش خوش فارغ البال "فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی" پس میرے بندوں میں داخل ہو جاؤ، میری جنت میں داخل ہو جاؤ ہمارا وہاں استقبال ہو، ایمان کا تحفہ اور ایمان کی نذر لے کر جائیں اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ہم سے کہا جائے، کہ اے میرے پیارے بندے بیشک تو ایمان پر قائم رہا، بیشک اپنے ایمان کے ساتھ ہمارے یہاں آیا، تو نے یہ امانت پہنچا دی، تیرے لیے ہم نے سب کچھ تیار رکھا ہے" نزلاً من غفور رحیم"

رَبِّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ وَاَلْحِقْنَا بِالصّٰلِحِيْنَ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَدَامٰى وَلَا مَفْتُوْنِيْنَ، يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ نَسْتَغِيْثُ اَصْلِحْ لَنَا شَاْنَنَا كُلَّهٗ وَلَا تَكِلْنَا اِلٰى اَنْفُسِنَا طَرْفَةَ عَيْنٍ، رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔

وصلى الله تعالىٰ علىٰ خير خلقه محمد و علىٰ آله واصحابه اجمعين۔

☆☆☆
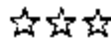
غیر مسلم اکثریت کے ممالک میں

مسلمان کا اندازِ حیات(۱)

ابراہیمی نسبت

بری دوستو! مٹی کی نسبت کے اعتبار سے جس کی ایک اصل اور حقیقت ہے جس کا ہم احترام کرتے ہیں۔ اسلام اس سے انکار نہیں کرتا، اور اس کو ختم کرنے کا حکم نہیں دیتا۔ مٹی کی نسبتوں کے اعتبار سے جن کی اصل "مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى" (۲) ہے۔ ہم بری ہیں ہم ہندوستانی ہیں، ہم ترک ہیں اور اسی اعتبار سے ہم سید ہیں، مغل ہیں، پٹھان ہیں، لیکن ایمانی اور اخلاقی حیثیت سے دماغی اور ذہنی حیثیت سے ہم ابراہیمی ہیں، ہم محمدی ہیں اور ہم مسلم ہیں۔

آپ کو اپنی ابراہیمی صفت کا صاف صاف اظہار کرنا چاہئے۔ اس کا ثبوت دینا چاہئے کہ ہم ذہنی، ایمانی اور روحانی اعتبار سے اور ان نسبتوں کی حیثیت

---

(۱) یہ تقریر بھی اسی اہمیت کی حامل ہے جو پہلی تقریر کو حاصل ہے یہ حضرت مولانا کے سفر برما سے واپسی کے فوراً بعد، بنام الفرقان لکھنؤ میں شائع ہوئی، جس کے اس وقت مدیر مولانا عتیق الرحمن صاحب سنبھلی (صاحبزادہ گرامی حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ) تھے۔

(۲) سورۂ طٰہٰ، آیت: ۵۵۔

سے جو زیادہ قیمتی ہیں صرف ابراہیمی ہیں، آپ کا خاندان ابراہیمی ہے، چاہے آپ برما میں رہتے ہوں، چاہے ترکستان اور استنبول میں، چاہے جاوا وسماترا میں، چاہے مشرق اقصیٰ کے رہنے والے ہوں، آپ کا خاندان خاندان ابراہیمی ہے۔ تمام دنیا سے ہٹ کر ایک نئے قسم کے کنبے کے آپ افراد ہیں۔

ہمارا کام

ہمارے اور آپ کے درمیان ایک مشابہت ہے، ہم بھی چاروں طرف مذاہب اور مختلف عقائد سے گھرے ہوئے ہیں، ہمارا کام یہ ہے کہ دوسروں کو راستہ بتلائیں، ہمارا کام یہ نہیں کہ ہم دوسروں کے پیچھے چلیں۔

ایک خاندان اور ایک تہذیب

ہم سب خاندان ابراہیمی کے افراد ہیں، اپنی قومی اور لسانی حیثیت سے ہماری زبانیں کتنی ہی کیوں مختلف نہ ہوں ہم سب ایک ہیں، مراکش کے مسلمان، ملایا کے مسلمان، برما کے مسلمان، ہندوستان کے مسلمان، الجزائر کے مسلمان، سب کی ایک تہذیب ہے۔

ہوسکتا ہے کہ آپ کے لباس کا ایک طریقہ ہو اور میرے لباس کا ایک طریقہ، مثلاً ہمارے یہاں شیروانی پہنی جاتی ہے۔ آپ برمی کی حیثیت سے ہرگز اس کے پابند نہیں کہ یہ لباس پہنیں۔ اسلام نے لباس کی تراش وخراش اور لباس کی کاٹ ایک طرح کی نہیں دی۔ انبیاء علیہم السلام نے یہ حکم نہیں دیا کہ ایک ہی

طرح کے لباس پہنو۔ آج دنیا کے کسی میوزیم اور عجائب گھر میں حضرت ابراہیم کا لباس نہیں، وہ لباس ہوتا تو ہمارے لیے ایک بہت بڑی آزمائش ہوتی، اس وقت یہ سوال ہوتا کہ ہم یہ لباس پہنیں یا دوسرا لباس۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اگر دنیا بھر کے مسلمانوں کو کسی جگہ جمع کر کے دیکھا جائے تو ان کا لباس مختلف قسم کا ہوگا، یہ اختلاف تہذیب کا اختلاف نہیں کہلائے گا، اسلام سب کی اجازت دیتا ہے۔ بشرطیکہ ان حدود سے تجاوز نہ کیا جائے جن کی تعیین انبیاء علیہم السلام نے کی ہے۔

ابراہیمی تہذیب کی حقیقت

ابراہیمی تہذیب دراصل انہیں حدود کا نام ہے اور اسی وجہ سے وہ دنیا کے اس سرے سے زندگی گزارنے کے لیے، ایک سلیم الفطرت انسان نہایت آسانی سے اس میں زندگی گزار سکتا ہے، لیکن حدود کا پابند رہنا پڑے گا۔ مرد ریشم نہ پہنیں، بے پردگی اور اسراف نہ ہو، ٹخنوں سے نیچے نہ ہو گھٹنوں سے اوپر نہ ہو بے حیائی نہ ہو، فضول خرچی نہ ہو، چنانچہ اس وسعت کی بنا پر ہماری وضع قطع کی سارے قدرتی اختلافات ابراہیمی تہذیب کی وحدت میں سما جاتے ہیں۔

حدود کے اشتراک کے اعتبار سے اگر آپ تہذیبی یگانگت دیکھنا چاہیں تو آپ ایک بہت واضح مثال میں دیکھ سکتے ہیں کہ برما کے مسلمان داہنے ہاتھ سے کھاتے ہیں، ہندوستان کے مسلمان بھی داہنے ہاتھ سے کھاتے ہیں، عرب کا مسلمان تو موٹر بھی دائیں طرف چلاتا ہے اور ساری دنیا کا مسلمان ہر اچھا کام

داہنے ہاتھ سے کرتا ہے، بائیں ہاتھ سے صرف وہی کام کرتا ہے جن کا تقاضا ضرورت یا فطرت کرتی ہے۔ یہ چیز ان حدود میں سے ہے جن کی تعیین انبیاء علیہم السلام نے کی ہے۔ ابراہیمی تہذیب میں ہر چیز کے کچھ حدود ہیں۔ ازدواجی زندگی کے کچھ ضوابط ہیں، معاشرت کے بارے میں کچھ ہدایات ہیں، اس کے بعد آپ کا جی چاہے بر ما کی غذائیں کھائیے، آپ کو اختیار ہے جس طرح پکائیں کھائیں، کوئی مخالفت نہیں کرے گا، اللہ تعالیٰ نے صاف ممانعت فرمادی ہے کہ کوئی کسی کے لباس پر مذاق نہ اُڑائے، کسی کے کھانے پینے اور رہنے سہنے کے طریقہ کا مذاق نہ اُڑائے، کوئی کسی کی زبان کا مذاق نہ اُڑائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۖ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ۖ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ۚ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ" (۱)

"اے ایمان والو! نہ مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہئے کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہئے کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو، اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارو، ایمان کے بعد گناہ کا نام ہی برا ہے، اور جو (اب بھی) توبہ نہ کریں گے وہی ظالم ٹھہریں گے"۔

---

(۱) سورۂ الحجرات، آیت: ۱۱

ملک کی وفاداری اور ابراہیمی تہذیب میں کوئی تضاد نہیں

برما کے دوستو اور بزرگو! آپ کے ملک کے حالات کچھ بھی کیوں نہ ہوں، مجھے اس سے بحث نہیں، آپ کو اپنے ملک کا وفادار اور مخلص رہنا چاہئے، ملک کی تعمیر اور ترقی میں حصہ لینا چاہئے، اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تعمیری صلاحیت کا ثبوت دینا چاہئے، آپ کو اپنی قابلیت، دیانتداری، انتظامی لیاقت، صداقت، ذہن کی صفائی، استقامت اور کیریکٹر کا ثبوت دینا چاہئے، آپ اس طرح ملک کی خدمت کریں کہ آپ کی اہمیت محسوس ہو۔ اور اس طرح دوسرے عناصر سے آگے بڑھ جائیں لیکن آپ کو ابراہیمی تہذیب کا بھی وفادار ہونا چاہئے۔

برمی شاعر وادیب بنئے

آپ اپنے ملک کی زبان کی طرف بھی پوری توجہ دیجئے، نہ صرف یہاں کی زبان پڑھئے، بلکہ ادیب بننے کی کوشش کیجئے، شاعر بننے کی کوشش کیجئے، یہاں کی معیاری اور ٹکسالی زبان میں لکھئے، یہاں تک کہ آپ کی زبان معیاری تسلیم کی جائے، آپ کی زبان اور ادبیت اور فنی کمال کا اعتراف کیا جائے۔ ان سب کے باوجود ابراہیمی تہذیب کے وفادار رہئے۔

آپ جو چاہے زبان اختیار کیجئے، مگر ابراہیمی تہذیب آپ پر یہ پابندی عائد کرتی ہے کہ جھوٹ نہ بولیں، آپ کا رسم الخط دائیں طرف سے شروع ہو یا بائیں طرف سے، بائیں طرف سے لکھنے پر اسلام کی شریعت میں کوئی اعتراض نہیں۔

اسلام کی نگاہ میں سب زبانیں برابر ہیں، بے شک عربی زبان کا ایک درجہ ہے، کیوں کہ وہ آسمانی زبان ہے، باقی کوئی زبان مقدس نہیں، زبانوں کا اختلاف بالکل قدرتی اور طبعی ہے۔

عربی کے بعد تمام زبانیں برابر

عربی تو اسلام کی شریعت کی سرکاری زبان ہے، اس کے بعد اردو اور برمی بالکل برابر ہے، فارسی اور برمی بالکل برابر ہے، دائیں طرف سے شروع ہونے والی زبان ہو یا بائیں طرف سے شروع ہونے والی زبان ہو، اللہ کی نگاہ میں دونوں یکساں ہیں۔

یہ دوسری بات ہے کہ دائیں طرف سے شروع ہونے والی زبانوں میں اسلام کی ادبیات کا ایک بڑا وسیع ذخیرہ ہے اس لیے کہ دائیں طرف سے لکھنے والے سامی یا آرین زبانوں میں ایسی نسلیں پیدا ہوئیں جن کو دنیا میں تاریخ کا طویل عرصہ ملا کہ وہ اسلام کی خدمت کر سکیں، انہوں نے اس زبان کے ذریعے اسلام کو سمجھایا، اسلام کی تعلیمات کو منتقل کیا، لیکن اس سے زبانوں کے مرتبہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اور اس سے کسی زبان کی پابندی نہیں عائد ہوتی، البتہ ابراہیمی تہذیب یہ پابندی عائد کرتی ہے کہ آپ دائیں سے لکھیں یا بائیں سے، اس میں کوئی جھوٹی دستاویز نہ ہو، اس میں کوئی افترا، پردازی نہ ہو، دروغ نہ ہو، اور بددیانتی نہ ہو، یہ ہے ابراہیمی تہذیب کا رول، یہ ہے ابراہیمی تہذیب کا چارٹ اور یہ ہے ابراہیمی تہذیب کا حصہ، آپ کی زندگی کی تشکیل میں۔

ناموں سے اسلامیت کا اظہار

ہمارے ناموں کے ساتھ عبدیت اور اسلامیت کا اظہار ہونا چاہئے۔ آپ اپنے اسلامی نام کے ساتھ بری لقب یا تعارفی نام اختیار کر سکتے ہیں، لیکن ساتھ میں ایک اسلامی نام ضرور ہونا چاہئے تاکہ بکھرے ہوئے منتشر ابراہیمی کنبے کے افراد جب جمع ہوں تو تعارف ہو سکے، میرا نام علی ہے، کسی کا نام احمد ہے، کوئی عبدالعزیز ہے، سعید ہے، ابراہیم اور موسیٰ ہے۔ یہ سب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی یادگاریں ہیں، اور انبیاء کے فرزندوں اور ان کے خاندان کے افراد کی یادگاریں ہیں۔ توحید کا اعلان اور ابراہیمیت اور اسلامیت کا اظہار ہمارے ناموں کا طرۂ امتیاز ہونا چاہئے۔

ہم ایک ہیں

بری دوستو! آپ میری اس بات کو سمجھ لیجئے کہ ہم سب ایک کنبے کے افراد ہیں، مشرق وسطیٰ سے لے کر مغرب اقصیٰ تک اور مراکش سے انڈونیشیا تک ہم سب ایک ہیں۔ ہماری زبانیں مختلف، ہماری قومیتیں مختلف، ہماری وضع مختلف اور ملکی خصوصیتوں کے اعتبار سے ہم مختلف ہیں، لیکن عقیدۂ توحید اور ابراہیمی تہذیب کے اعتبار سے ہم متحد، مقصد زندگی میں بھی ہم متحد اور ایک ہیں۔

مسلمان بن کر رہئے اور اسلام پر مریئے

آپ اس ملک میں یہ عزم کر کے رہیں کہ آپ کو مسلمان ہو کر رہنا ہے،

آپ اگر برما کے ہیں تو آپ کو اختیار ہے کہ آپ برما کی زمین میں دفن ہوں، کوئی مجبور نہیں کرے گا کہ نجف اشرف، بقیع شریف، اور جنت المعلیٰ میں آپ دفن ہوں۔ آپ برما کی سرزمین کو اسلامی نعشوں اور مسلمانوں کے مدفن سے گلزار بنائیں۔ آپ جگہ جگہ یہ امانتیں دفن اور سپرد کریں، تاکہ حشر کے دن زمین کے چپے چپے سے ایمان لانے والے اور ملت ابراہیمی کے افراد اٹھیں، کوئی جاوا سے اٹھ رہا ہو، کوئی سماترا سے اٹھ رہا ہو، کوئی سمندر کے کنارے سے اٹھ رہا ہو، کوئی پہاڑ کی چوٹی سے اُٹھ رہا ہو۔

لیکن جب ہماری روح پرواز کر رہی ہو تو "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" ہماری زبان پر ہو "وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ" کا یہی مطلب ہے۔ ہم سے یہ نہیں کہا جاتا کہ "ولاتموتن الا وانتم فی مکۃ۔ ولاتموتن الا وانتم فی المدینۃ۔ ولاتموتن الا وانتم فی الحرم۔ ولاتموتن الا وانتم کذا وکذا" سمندروں میں مرو یا پہاڑ کی چوٹیوں پر مرو آپ سے کوئی سوال نہیں کرے گا کہ یہاں کیوں مرے، اور وہاں کیوں مرے۔ ساری زمین اللہ کی ہے۔ مشرق میں رہو تو اللہ کے لیے، مغرب میں رہو تو اللہ کے لیے اور جب مرو تو زبان پر اللہ کا نام ہو۔

ملت ابراہیمؑ

برما کے دوستو! آپ کو اپنی سرزمین مبارک، اپنی خصوصیات مبارک، یہ آزاد، سرسبز، آباد خطہ مبارک، آپ کو اپنی زبان مبارک اور رسم الخط مبارک، آپ کو اپنا وطنی کلچر اور زمین کی خصوصیات مبارک، اپنے ملک کو ترقی دیجیے، اس کی

تعمیر و ترقی میں پوری طرح حصہ لیجیے، دلچسپی جمعیت خاطر اور پورے اطمینان کے ساتھ حصہ لیجیے، اس سے کوئی آپ کو محروم نہیں کر سکتا، اور کوئی آپ پر اعتراض نہیں کر سکتا، لیکن یاد رکھیے، آپ اس خاندان کے علاوہ بلکہ اس سے بڑھ کر ایک دوسرے خاندان کے فرد ہیں، اور وہ خاندان ابراہیمی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
"مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ" تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر قائم رہو اسی نے تمہیں مسلمان قرار دیا۔

ملت ابراہیمیؑ پر کسی کی اجارہ داری نہیں

ایک مصر کے عرب کا، مکہ کے قریشی کا، یمن کے زیدی کا، مراکش کے حسنی کا، جاوا اور سماترا کے حضرمی کا، جتنا دین ابراہیم ملت ابراہیم اور شریعت ابراہیمی پر حق ہے اتنا ہی حق ملایا کے مسلمان، برما کے مسلمان اور انڈونیشیا کے مسلمان کا بھی ہے، ہندوستان کے برہمن زادے، اور افغانستان کے افغانی کا بھی ہے، یہ حق کوئی نہیں چھین سکتا، آپ برما میں رہیں تو ابراہیمی بن کر رہیں، ہندوستان میں ہوں تو ابراہیمی رہیں، آپ برہمن کے اولاد ہوں تو ابراہیمی بن کر رہیں۔

ایک غیر ابراہیمی سید کے مقابلے میں جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اپنا رشتہ کاٹ دیا ہو وہ برہمن زادہ ہزار ہا درجہ افضل ہے، جس نے اپنا روحانی، ایمانی، اخلاقی، عقلی اور تہذیبی رشتہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے خاندان سے قائم کر لیا، وہ اس ہاشمی، حسنی اور حسینی سید سے جس نے بدقسمتی اور کور باطنی سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اصل نسبت سے رشتہ منقطع کر دیا، زیادہ افضل ہے۔

کیا خوب امیر فیصل کو سنوسی نے پیغام دیا
تو نام و نسب کا حجازی ہے پر دل کا حجازی بن نہ سکا

اگر ایک برمی کا دل حجازی ہے تو اس ہاشمی سے ہزار درجہ اچھا ہے جو اپنے خاندان اور نسبت پر فخر کرتا ہے، جو جاہلیت عرب پر فخر کرتا ہے، جو ابو جہل اور ابولہب کی اولاد ہونے پر فخر کرتا ہے اور ملت ابراہیم کی تہذیب اور خصوصیات سے اس کو کوئی دلچسپی نہیں۔

فانی رشتے

عزیز دوستو! یہ سب رشتے فانی ہیں، ہمارے آپ کے یہ تمام مادی رشتے باقی رہنے والے نہیں، نہ ہاشمی رہے گا، نہ عربی، نہ برمی رہے گا اور نہ ملائی، نہ انڈونیشی رہے گا، نہ جاوی، بس اللہ کا نام باقی رہے گا، اور اللہ کے لیے خلوص باقی رہے گا، نام و نسبت کے اختلاف اور خاندانوں کی کمتری اور بہتری سب فانی اور ہیچ ہیں، اللہ تعالیٰ کو دین عزیز ہے، اخلاص اور للّٰہیت عزیز ہے اور ابراہیمیت عزیز ہے اور اس کے باقی رہنے کا اللہ نے فیصلہ کیا ہے۔

کامیابی اور غلبے کا فیصلہ

برما کے دوستو! تمہارا دنیا میں باقی رہنا، پھلنا اور پھولنا، کامیاب ہونا، کمزور ہو تو طاقتور ہونا، مغلوب ہو تو غالب ہونا، اللہ کے یہاں مقدر ہے، اور اللہ کے یہاں ایک فیصلہ شدہ حقیقت ہے بشرطیکہ آپ نے اپنے اندر وہ صفات پیدا

کہیں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت آتی ہے جس کی وجہ سے اللہ کی طرف سے پیار ہوتا ہے، اور جس کی وجہ سے ابراہیم علیہ السلام خلیل بنے۔ آذر کے خدا جانے کتنے بیٹے تھے، دنیا میں آج کون ہے جو ان کے نام جانتا ہو، لیکن صرف ابراہیم علیہ السلام اور ابراہیمی قیامت تک باقی رہیں گے، اس لیے نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نینوا یا بابل میں پیدا ہوئے یا اس لیے نہیں کہ وہ بہت زیادہ ذہین اور خوبصورت تھے، بلکہ اس لیے کہ وہ قلب سلیم لے کر آئے تھے۔

محبوبیت کا راستہ

کامیابی کی شرط یہ ہے کہ ہم اللہ کے محبوب بنیں، اللہ کی محبوبیت کا راستہ سلطنت نہیں، سیاست نہیں، اقتصادی اور معاشی تفوق نہیں، تنظیم نہیں، محبوبیت پیدا کرنے کا راستہ محض ذہانت نہیں، محبوبیت پیدا کرنے کا راستہ یہ ہے کہ محبوبوں کی وضع اختیار کرو، محبوبوں کے خاندان میں داخل ہو جاؤ ان کی تہذیب پیدا کرو، اور محبوبیت کے مرکز اعظم اور منبع اعظم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وضع اور تہذیب اختیار کرو، تب آپ اللہ کے محبوب بن سکتے ہیں۔

دو نسبتیں

عزیز دوستو! آپ کی دو نسبتیں ہیں، ایک نسبت ہے اس وطن اور اس کی خاک سے، اس کے مسائل، اس کی مصلحتوں اور ذاتی اغراض اور ذاتی عروج سے، اس کی اللہ کے یہاں کوئی حقیقت نہیں، اور ایک نسبت ہے ابراہیم علیہ السلام سے،

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ سے، اللہ سے اور اسلام سے، یہ نسبت اللہ کو پیاری ہے اس کو بڑھایئے اور مضبوط کیجئے۔

دین و دنیا باہم آمیز

آپ کو یقیناً اپنے ملک کا وفادار رہنا چاہئے۔ اپنی لیاقت اور قابلیت کا سکہ دماغوں پر اور قانون سازوں کے ذہنوں اور نئی نسل پر اور ساری دنیا پر بٹھانا چاہئے، اور اپنی قابلیت کا لوہا منوا دینا چاہئے، حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح آپ کو بھی یہ کہنے کا حق ہے "اجعلنی علیٰ خزائن الارض"۔ اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کرنا چاہئے۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

آپ میں غیر معمولی ذہانت اور انصاف کا ایسا جذبہ ہونا چاہئے کہ آپ ترازو بن جائیں، یہاں تک کہ آپ کا ایک ایک فرد اٹھ کر کہے کہ اجعلنی علی خزائن الارض۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جو کچھ کہا ان کی کوئی سفارش کرنے والا نہیں تھا، وہ ایک بیگانہ قوم کے فرد تھے، لیکن آپ کا کیریکٹر، آپ کا اخلاق، آپ کی دیانت، آپ کی نبوت، اس کی سفارش کرتی تھی۔

اے برما کے مسلمانو! آپ میں سے ایک ایک فرد میں یہ قابلیت ہونی چاہئے کہ وہ اپنے ملک کے باشندوں سے اور برادران وطن سے خواہ وہ کسی مذہب کے پیرو ہوں کہہ دیں کہ "اجعلنی علی خزائن الارض"

مجھے وزیرِ صنعت اور معدنیات بنا کر دیکھو، وزیرِ داخلہ بنا کر دیکھو، آپ میں ایسی قابلیت ہونی چاہئے اور ملک کے ایسے فرض شناس، لائق تعلیم یافتہ ہونا چاہئے، کہ ہر طبقہ کے لوگوں کی نگاہیں آپ کی طرف اٹھیں، اور مشکلات کا حل آپ سے سیکھیں، لیکن جہاں تک عقائد، یقین اور مقصدِ زندگی کا تعلق ہے، اس میں آپ ابراہیمی تہذیب کے پیرو رہئے، اپنے مقصدِ زندگی میں منفرد اور ممتاز رہئے، اور بالکل اسی طرح ممتاز رہئے جیسے روشنی کا مینار ہوتا ہے۔

گماں آبادِ ہستی میں یقیں مردِ مسلماں کا
بیاباں کی شبِ تاریک میں قندیلِ رہبانی

آج شک وشبہ کی اس دنیا میں بد اخلاقی کی اس دنیا میں، بدکرداریوں، بے ایمانوں اور دغابازیوں کی اس دنیا میں اقربانوازی اور خیانت کے اس دور میں، اپنی انفرادیت، اپنا امتیاز اور اپنی جداگانہ حیثیت قائم رکھئے، اور اپنے عقائد کے حبل المتین کو مضبوطی سے پکڑیے۔

امتیازی شان

بے شک کماؤ اور کھاؤ، زبانیں پڑھو اور سیکھو، ادب میں امتیاز پیدا کرو، مصنف بنو، شاعر بنو، ادیب بنو، بری زبان کے فاضل بنو، پروفیسر بنو، انجینئر بنو، سائنٹسٹ بنو، لیکن اس کے ساتھ اسلامی خصوصیت اسی طرح آپ کے اندر روشن اور چمکنی چاہئے جس طرح کہ پیشانی کا نور چمکتا ہے اور جس طرح دوسرے ملک

کے لوگ آپ کے ملک میں پہچانے جاتے ہیں۔ آپ خود اپنے اندر امتیاز پیدا کیجئے تاکہ آپ اپنے ملک والوں میں پہچانے جائیں۔

نازک امانت

دوستو! خدا نے آپ کو بڑی نازک امانت سپرد کی ہے، عرب کے لوگ اور وہ لوگ جو مکہ مدینہ میں رہتے ہیں ان کا اتنا بڑا امتحان نہیں جتنا کہ آپ کا بڑا امتحان ہے۔ مصر اور شام کے مسلمانوں کا کوئی امتحان نہیں۔ ان کے سامنے کوئی اور فلسفہ نہیں، ان کے سامنے کوئی دوسری دعوت نہیں، لیکن برما اور ہندوستان کے مسلمانوں کی قوت ایمانی کا بھی امتحان ہے، اور ذہانت کا بھی، آپ کی قوت فیصلہ کا بھی امتحان ہے اور زندگی کا صلاحیتوں کا بھی، آپ کو ثابت کرنا ہے کہ آپ ایمان کے ساتھ زندہ رہنے کے اہل ہیں یا نہیں۔

میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ بری خصوصیات اپنے اندر خوشی سے پیدا کیجئے۔ زبان سیکھیے، بچوں کو پڑھایئے، اپنا حصہ رسدی حاصل کیجئے، ملک کے ایڈمنسٹریشن میں اپنے شایان شان حصہ لیجئے، لیکن ساتھ ہی ساتھ داعی بھی ہو، مومن بھی رہو، توحید کا اعلان بھی کرتے رہو، اور پیغام پہنچانے والے بھی بنو۔

آپ کا مقام متبع کا مقام نہیں۔ مقلد کا مقام نہیں، آپ کا مقام امام اور پیشوا کا مقام ہے، آپ کا اس دیس میں جیسا باقی رہنا ضروری ہے اسی طرح ایمان بھی باقی رہے، توحید بھی باقی رہے، فکر آخرت بھی باقی رہے، تمام بری

باشندوں کے متعلق خدا کے یہاں آپ سے سوال ہوگا کہ اللہ نے آپ کو سینکڑوں برس اس ملک میں باقی رکھا، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت اور آپ کا دین کیوں آپ کے اندر محدود رہا، اس کو پھیلنا اور وسیع ہونا چاہئے۔

آپ کو اپنا عمل اس طرح پیش کرنا چاہئے کہ برمی بھائیوں کا دل آپ کی طرف کھنچے، زبان سے تبلیغ کے ساتھ ساتھ عمل بھی ایسا ہونا چاہئے کہ دوسری قوموں پر اس کا اثر ہو، آپ کا تاجر بازار میں بیٹھے تو معلوم ہو کہ مسلمان تاجر ایسا ہوتا ہے اور لوگوں کو شوق ہو کہ وہ آپ کے پاس آئیں۔

اسلام اور تلوار

اسلام کی تاریخ میں کسی تلوار کی صورت نظر نہیں آتی، کوئی لشکر کشی نہیں ہوئی، چین میں کوئی لشکر نہیں بھیجا گیا، انڈونیشیا میں کوئی تلوار نہیں چمکی، اسلام راست باز سوداگروں اور خدا پرست صوفیوں کے ذریعے پھیلا۔ آج کیوں اسلام نہیں پھیل رہا ہے، وجہ یہ ہے کہ ہمارے اندر کمزوری آگئی ہے، ہم نے اپنی انفرادیت کھودی ہے، ہمارا تاجر دوسرے تاجروں سے الگ نہیں، ہمارا ملازم دوسرے ملازموں سے الگ نہیں، اور ہمارا پڑھا لکھا انسان دوسرے پڑھے لکھے انسانوں سے الگ نہیں، ہم کو تو ایسا ممتاز ہونا چاہئے اور ہم میں ایسی پہچان ہونی چاہئے جیسے برسات میں رات کا دیا ٹمٹماتا ہے یا اندھیری رات میں ستارے چمکتے ہیں۔

کیریکٹر کی تلوار

میرے دوستو! آپ کو بہت کچھ کام کرنا ہے، آپ کو اس ملک میں محبوب بن کر رہنا چاہئے، آنکھوں کا تارا بن کر رہنا چاہئے، اس طرح رہنا چاہئے کہ ملک کے ذرے ذرے کو آپ سے انس ہو، خدانخواستہ کبھی آپ اس ملک سے جانے کا ارادہ کریں تو یہاں کی خاک آپ کا دامن تھام لے۔ آپ کے بھائی آپ کے راستے میں لیٹ جائیں، مسلمان جہاں رہتا ہے، محبوب بن کر رہتا ہے، کسی قوم کے سر پر زبردستی مسلط ہو کے رہنا مسلمان کی شان نہیں، اگر آپ کے اندر اسلامی کیرنکٹر پیدا ہو جائے تو آپ کے سارے مسائل حل ہو جائیں۔

روشن مستقبل اور اس کی پکی ضمانت

میں یہاں برما میں آکر بہت محظوظ ہوا، مجھے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ یہاں مسلمانوں کا مستقبل روشن ہے، خدا کے فضل سے وہ مشکلات بھی نہیں جو دوسرے ملکوں میں رہنے والوں کو پیش آتی ہیں، وہ نفرت بھی نہیں جو بعض ملکوں میں پائی جاتی ہے، آپ اس ملک میں اطمینان سے رہئے لیکن یہ ارادہ کر کے رہئے کہ آپ اللہ کے دین کے داعی ہیں، تا کہ اللہ کی مدد آپ کے ساتھ شامل ہو، اگر اللہ کی مدد آپ کے ساتھ شامل رہی تو کوئی آپ کا بال بیکا نہیں کر سکتا۔

مٹ نہیں سکتا کبھی مردِ مسلماں کہ ہے
اس کی نواؤں سے فاش سرِ کلیم و خلیل
(اقبالؔ)

دنیا کے اس بتکدے میں اگر اذان کی ضرورت ہے تو مؤذن کی بھی ضرورت ہے اس بتکدے میں صدائے توحید بلند کرنے کی بھی ضرورت ہے، اس لیے آپ مؤذن بن کر رہیے، اس نقار خانہ میں مؤذن کی صدا بن جائیے، اللہ اس صدا کی بھی حفاظت کرے گا اور اس صدا والے کی بھی حفاظت فرمائے گا۔
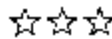
ہدایت و تبلیغ اور دعوت و اصلاح کا کام

امت کے وجود و بقا کا ضامن ہے(۱)

خطبہ مسنونہ کے بعد یہ آیت پڑھی۔

ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ. (۲)

---

(۱) مولانا عبدالرحمن یعقوب باوا بری کی کوششوں سے یہ تقریر منظر عام پر آئی۔ پہلی بار ہفت روزہ "ختم نبوت" کراچی نے ۵ رفروری ۱۹۸۸ء کو شائع کیا پھر صدیقی ٹرسٹ کراچی نے فروری ۱۹۹۵ء کو شائع کر کے اور زیادہ عام کیا، باوا صاحب اس محفل میں بھی موجود تھے جہاں یہ خطاب ہوا تھا، وہ تمہیدی سطروں میں لکھتے ہیں کہ یہ وہ دور تھا جب برما میں جمہوری حکومت تو تھی لوگوں کے پاس دولت کی ریل پیل تھی وہ بھول گئے تھے کہ یہاں بھی ایک انقلاب برپا ہو سکتا ہے کہ "جو مالدار تھے اور روپیہ کو غریب" چاہئے تو یہ تھا کہ جو مسلمان وہاں بستے تھے وہ غیروں میں اسلام کی دعوت دیتے، دعوت و تبلیغ میں کوشاں رہتے، لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا، بالآخر فوجی انقلاب ۱۹۶۲ء میں برپا ہوا، اور یہ انقلاب مال و دولت سب کچھ بہا لے گیا۔ مولانا نے اپنی اس تقریر میں مسلمانوں کو سخت جھنجھوڑا ہے، اور ان کے اصل کام کی طرف توجہ دلائی ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ تقریر کا ایک لفظ پوری دنیا کے مسلمانوں کے لیے سبق آموز ہے، گذشتہ حالات میں اس کی جیسی ضرورت تھی آج بھی اسی طرح باقی ہے۔ مولانا منظور احمد الحسینی (پاکستان) کے ضبط تحریر میں لانے اور مرتب کرنے سے یہ منظر عام پر آئی، جزاہم اللہ خیرا۔ کیسٹ پر مزید نظر ثانی کی ضرورت محسوس کی گئی اور کیسٹ سے ملا کر اس کو اور بہتر کرنے کا کام انجام دیا گیا اب یہ پیش خدمت ہے۔ (جامع و مرتب)

(۲) سورہ یونس: ۱۴

عالمگیر فساد

میرے بزرگو، بھائیو اور دوستو! آپ کو معلوم ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی تو سارے عالم میں اندھیرا پھیلا ہوا تھا، ملک کے ملک، برِ اعظم کے برِ اعظم، اللہ کی یاد سے، توحید کے نور سے، علم کی روشنی سے اور اخلاقِ حسنہ کی برکتوں سے محروم تھے۔ اللہ تعالیٰ سے بہتر اس زمانے کی تصویر کون کھینچ سکتا ہے۔ وہ فرماتا ہے:۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ. (۱)

لوگوں کے برے اعمال کی وجہ سے خشکی اور تری میں، زمین پر اور سمندر میں اور سمندر کے جزیروں میں عالمگیر فساد جس سے دنیا کا کوئی کونہ خالی نہ تھا، پھیلا ہوا تھا اور چھایا ہوا تھا، اس وقت حالت یہ تھی جسے اپنے زمانے کے ایک بہت بڑے مسلمان عالم نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص چراغ لے کر نکلتا تو ملک کے ملک خدا کی یاد سے خالی تھے، اگر کوئی شخص کسی بہت بڑے ملک یا برِ اعظم میں کسی ایسے آدمی کو تلاش کرتا جس کے دل میں خدا کی سچی معرفت اور محبت ہے اور خدا کو صحیح طور پر یاد کرتا ہے اور اس کو موت کا خیال ہے اور دوسری زندگی کا کچھ دھیان ہے تو پورے پورے ملک میں، پورے پورے برِ اعظم میں ایک آدمی بھی بعض اوقات ایسا نہ ملتا۔ لوگوں کے دل تاریک ہو چکے تھے، خدا کی صحیح پہچان، خدا کا صحیح

(۱) سورۃ الروم: ۴۱

علم، دنیا سے تقریباً نایاب ہو گیا تھا، ہر جگہ گناہوں کا، سرکشی کا، غفلت کا، عیش و عشرت کا دور دورہ تھا، ساری زمین پر بتوں کی پرستش ہو رہی تھی آگ پج رہی تھی، بت پج رہے تھے، درخت پج رہے تھے، دریا پج رہے تھے، سورج اور چاند پج رہے تھے، اور اللہ تعالیٰ کی خاص عبادت کرنے والا بالکل عنقا تھا، ظلم کا پوری دنیا میں دور دورہ تھا، کسی کو سوائے اپنا پیٹ بھر لینے کے اور اپنا مطلب نکال لینے کے اور اپنے نفس کی خواہش پوری کرنے کے کوئی فکر اور کوئی دھندا نہ تھا، انسانیت کا درخت جس کو بڑے انتظام کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے لگایا تھا، اور اس کو پروان چڑھایا تھا، وہ پامال ہو رہا تھا گویا جانور اس کو چر رہے تھے، ہر طرف سے اس پر حملہ تھا، انسانیت ذلیل کی جا رہی تھی، اور اتنی لمبی چوڑی دنیا میں انسانیت کا درد رکھنے والے بالکل ناپید تھے، ایسا آدمی ایک اکیلا آدمی کہ جس کے دل میں کچھ انسانیت کا درد پیدا ہوتا۔ بے چینی پیدا ہوتی اور اس کی راتوں کی نیند حرام ہو جاتی اور اس کا کسی کام میں جی نہ لگتا وہ موجود نہ تھا، سب کو اپنی اپنی پڑی تھی، نفسا نفسی کا عالم تھا، بادشاہ، وزیر، امیر، عالم، شاعر، ادیب، مصنف، سوچنے والے اور یہاں تک کہ اللہ کو پہچاننے والے اور تھوڑا بہت اللہ کو یاد کرنے والے بلکہ بہت کچھ اللہ کو یاد کرنے والے وہ بھی انسانیت کی طرف سے بے فکر تھے، اگر کسی کا کوئی جھونپڑا بھی ٹوٹتا اور کسی کے ایک پیسے کا نقصان ہوتا تو آدمی اس کو برداشت نہیں کرتا تھا، لیکن انسانیت کی تذلیل اور اس کی بربادی سب دیکھ رہے تھے، اور یہاں تک کہ ایک آنے اور ایک روپے کی جتنی قدر ہوتی ہے اتنی بھی انسانیت کی قدر کسی کے دل میں نہیں تھی، کوئی شخص اس خطرناک زندگی سے پریشان نہیں تھا۔ سب اپنے اپنے

عیش میں مست اور اپنے اپنے حال میں مگن تھے۔

دنیا کو ایک ہادی اور مصلح کی ضرورت

اس عالمگیر فساد میں اگر کوئی بہت ناراض ہوتا اور اس کو اس کی حالت بری معلوم ہوتی تو روٹھ کر خود ہی چلا جاتا، کہیں کسی غار میں کہیں کسی پہاڑ کی چوٹی پر جا کر اپنا ٹھکانہ بنالیتا اور کہتا کہ ہم ایسی پاپی دنیا میں نہیں رہیں گے۔ دنیا بڑی پاپی، ملچھ اور گندی ہوگئی ہے، یہ دنیا رہنے کے قابل نہیں ہے ہم اس زندگی سے بھاگ جاتے ہیں، اور کہیں اور جگہ اپنا بسیرا کر لیتے ہیں ایسے گنہ گار شہروں میں ایسے ایسے گناہوں میں آلودہ زندگیوں میں رہنا ہم برداشت نہیں کر سکتے لیکن اس کا بھی کیا نتیجہ تھا جو روٹھے گا خود روٹھے گا۔

اس کی مثال تو ایسی ہے کہ کوئی کشتی دریا میں چل رہی ہے اور غلط راستے پر جا رہی ہو۔ آگے طوفان ہو اور صاف نظر آ رہا ہو کہ اب یہ کشتی طوفان کی نذر ہو جائے گی اور ڈوب جائے گی اور کشتی والے بالکل غافل ہوں، ایک دوسرے سے چھوٹی چھوٹی بات پر لڑ جھگڑ رہے ہوں آستینیں چڑھائے ہوئے ایک دوسرے کے گریبان پر ہاتھ ڈالے ہوئے کچھ مسافر زور مستی اور خوب دھینگا مشتی کر رہے ہوں کچھ لوگ کشتی میں بیٹھے ہوئے تاش کھیل رہے ہوں اور کچھ لوگ کشتی پر بیٹھے گا رہے ہوں بجا رہے ہوں اور کشتی ہر منٹ پر خطرے کے قریب ہو رہی ہو اور جو منٹ بھی گزرتا ہو اور جو گھڑی بھی گزرتی ہو یہ صاف نظر آ رہا ہو کہ اب یہ کشتی ڈوبے گی بچتی نظر نہیں آتی تو کوئی خدا کا بندہ جو اس کشتی پر بیٹھا ہوا

سب کچھ دیکھ رہا ہو اور خطرے کو محسوس کر رہا ہو تو کشتی جس رخ پر جارہی ہو اس سے منھ موڑ کر، پیٹھ پھیر کر دوسری طرف منھ کر کے بیٹھ جائے، اور آنکھوں پر پٹی باندھ لے اور کہے کہ میں نہیں دیکھتا اور مجھ سے کشتی کے مسافروں کی یہ بدتمیزی نہیں دیکھی جاتی اور مجھ سے کشتی کا یہ انجام نہیں دیکھا جاتا میں تو اپنا منھ ادھر کر لیتا ہوں کشتی مشرق کی طرف جارہی ہو اور اسی طرف طوفان ہو اور اس پر سوار خوب خرمستی کر رہے ہیں، اور دھینگا مشتی کر رہے ہوں اور وہ آدمی بجائے مشرق کے مغرب کی طرف منھ کر کے بیٹھ جائے اور آنکھ بھی بند کر لے اور سمجھے کہ میں نہیں ڈوبوں گا، اس سے کیا ہوتا ہے کشتی جو ڈوبنے والی ہے وہ تو ڈوبے گی ساتھ یہ بھی ڈوبے گا، ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مثال دی کہ اگر برائی سے نہ روکو گے اور نیکی کا حکم نہ دو گے، تو تمہاری مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک کشتی کے درجے ہوں، نچلا، درمیانہ اور فرسٹ کلاس اس کشتی میں کئی منزلیں ہوں اور سب مسافر ہوں اور اتفاق سے پانی کا انتظام اوپر کی منزل پر ہو، فرسٹ کلاس والوں کا یوں بھی زیادہ خیال کیا جاتا ہے، نیچے والے مسافر اوپر آتے ہیں وہاں سے پانی لاتے ہیں، جب پانی لاتے ہیں تو اس کا قاعدہ ہے کہ وہ کچھ ٹپکتا ہے، گرتا ہے، پانی ایسی قابو کی چیز نہیں ہے، کتنا ہی آپ احتیاط کیجئے پانی ٹپک پڑتا ہے کسی کا کپڑا بھیگ گیا کوئی آدمی بھیگ گیا، تو ہاں سے جب پانی بھرنے جاتے ہیں تو راستے میں پانی گرتا ہے اوپر والوں نے ایک آدھ مرتبہ برداشت کیا پھر نیچے والوں پر ناراض ہونے لگے اور کہنے لگے کہ یہ بڑی مصیبت ہے، روز روز کی مصیبت ہے کہ پانی لینے آجاتے ہیں ضرورت آپ کو پانی کی ہے پریشان ہم ہوتے ہیں،

اب ہم برداشت نہیں کر سکتے، خبردار اوپر پانی لینے کے لیے مت آنا ہم پانی دینے کے روادار نہیں ہیں۔ ہم اب ایک قطرہ پانی کسی کو نہیں دیں گے جب کہ پانی کے بغیر گزارہ نہیں ہو سکتا، پانی کے بغیر زندگی نہیں اور پانی یہ دیتے نہیں اور کہتے ہیں کہ اوپر تم چڑھو نہیں تو نچلی کلاس والوں نے سوچا نیچے پیندے میں ایک سوراخ کر لیتے ہیں، اور وہاں سے ڈول ڈال کر اپنا پانی بھر لیا کریں گے پانی کے بغیر ہم جی نہیں سکتے اب ہم پانی کا یہیں انتظام کر لیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو سمجھ دی اور ان کو ہوش آیا تو اوپر والے ان لوگوں کا ہاتھ پکڑ لیں گے اور ان کو سوراخ نہیں کرنے دیں گے بلکہ ان کی خوشامد کر لیں گے اور کہیں گے کہ بھائی تم شوق سے اوپر آؤ اور پانی لو ہم ہرگز تمہیں نہیں روکتے مگر خدا کے لیے تم نیچے سوراخ نہ کرو اس لیے کہ اگر تم نے نیچے سوراخ کیا اور پانی کشتی میں بھرنے لگا تو ساری کشتی ڈوب جائے گی اور اوپر نیچے والے میں سے کوئی نہیں بچے گا دریا کسی کی رعایت نہیں کرے گی کشتی ڈوبے گی تو سب ڈوبیں گے اوپر کے بھی ڈوبیں گے اور نیچے کے بھی ڈوبیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت انسانیت کے لیے صبح صادق

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تمام دنیا میں فساد پھیلا ہوا تھا اور یہ فساد ایسا تھا کہ کوئی بہت نیک ہوتا تو وہاں سے روٹھ کر چلا جاتا کہ ہم اس ماحول میں اور ایسے برے لوگوں کے ساتھ نہیں رہیں گے وہ کسی پہاڑ کی چوٹی پر یا کسی غار میں اپنا ٹھکانہ بناتا اور کہتا ہمیں ان سے کوئی واسطہ نہیں یہ مرے یا جئیں

ہم ان سے دور بھاگتے ہیں، اتنی بڑی اللہ کی زمین، اتنی بڑی دنیا اس میں یہ فساد تھا مگر اس سے لڑنے کے لیے اس کا مقابلہ کرنے کے لیے اس کا دھارا بدلنے کے لیے اس زندگی کا رخ صحیح کرنے کے لیے اور اپنی جان کی بازی لگانے کے لیے اس پوری دنیا میں کوئی تیار نہ تھا، بڑے بڑے نامی گرامی ملک تھے، ایران کا ملک تھا، ہندوستان کا ملک تھا اور ساری مہذب دنیا پڑی ہوئی تھی، ان میں تعلیم یافتہ لوگ بھی تھے، بڑے مہذب لوگ تھے، ایران بڑا تعلیم یافتہ بڑا مہذب تھا یہاں کا طبقہ بہت اونچا تھا، روم بڑا مہذب تھا، ہندوستان بڑا تعلیم یافتہ مہذب تھا یہاں کا طبقہ بہت اونچا تھا، یہاں علم ریاضی بہت ترقی کر گیا تھا، یہاں عقل اور دانائی کے کام کی باتیں بہت تھیں، مگر زمانے کے بگاڑ کے خلاف لڑنے کے لیے، اس کی کلائی موڑنے کے لیے اور اس کا رخ صحیح کرنے کے لیے کوئی میدان میں آنے کو تیار نہ تھا، بادشاہوں کو اپنے عیش سے فرصت نہ تھی وزیروں کو ملک کو لوٹنے اور اپنے گھر بھرنے سے فرصت نہ تھی، لشکروں کو انسانوں کو قتل کرنے اور قوموں کو پاؤں کے نیچے روندنے، ملکوں کو اجاڑنے اور تاراج کرنے سے فرصت نہیں تھی، عالموں، شاعروں کو بادشاہوں کو خوش کرنے سے اور ان کی خوشامد کرنے سے فرصت نہیں تھی، مصنفوں کو کتابیں لکھنے سے اپنے نام زندہ رکھنے کی کوشش سے اور اپنی علمی باتوں کا لطف لینے اور ان میں مست رہنے سے فرصت نہیں تھی۔ صوفیوں کو خدا کے نیک بندوں کو جو کہیں دو چار خال خال پائے جاتے تھے، ان کو اللہ کے نام میں جو مزہ آیا اور لذت آئی انہیں اس مزے سے اور لطف سے فرصت نہیں تھی، اب بتلاؤ کہ دنیا میں اس بگاڑ کے خلاف کون لڑتا

اور کون انسانیت کی خبر لیتا اور خدمت کرتا اور کون زندگی کی چول صحیح جگہ پر بٹھاتا۔ اس کے لیے کوئی نہیں تھا۔

زمانۂ جاہلیت کیوں کہا گیا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے ملک میں تشریف لائے جو ملک علم اور تہذیب میں بہت پیچھے تھا روم اور ایران سے تو لگا کھاتا ہی نہیں تھا ان سے سینکڑوں برس پیچھے تھا جہاں تک تعلیم اور پڑھنے لکھنے کا تعلق تھا تو اس میں پڑھے لکھے آدمی اتنے کم تھے اور ایسے گنتی کے تھے کہ ساری قوم کو اللہ تعالیٰ نے خود عربی زبان میں یعنی اس ملک کی زبان کہاں کہ یہ ان پڑھ ہیں "هو الذی بعث فی الامیین رسولا" جس نے کہ ان پڑھوں میں پیغمبر بھیجا تو "ان پڑھ" اور "ناخواندہ" یہ ان کا قومی لقب تھا، مالی حیثیت سے فقیر اور مفلس تھے گوہ کا شکار کر کے کھا جایا کرتے تھے کہیں کہیں کیڑے مکوڑے کھا جایا کرتے تھے اور اگر دوپہر کو کھانا مل گیا تو رات کی خبر نہیں اور رات کو مل گیا تو دوپہر کی خبر نہیں، جانوروں کو چراتے تھے اونٹ کے گوشت اور زیادہ تر اونٹ کے دودھ پر ان کا گزارہ ہوتا تھا، اونٹ کے بالوں سے وہ اپنے کمبل اور خیمے بنا لیتے تھے اور ان میں رہتے تھے جہاں سبزہ گھاس ہوتا یا پانی ہوتا وہاں جا کر خیمے یا جھونپڑے ڈال دیتے تھے یا یوں ہی پڑ جاتے تھے، جو مل جاتا تھا وہ کھا پی لیتے تھے اس کے بعد جب رات ختم ہوئی وہاں سے اُٹھے اور خیمہ بدوش قوموں کی طرح دوسری جگہ جا پڑے وہاں سے دانہ پانی ختم ہوا تو اور کوئی جگہ تلاش کر کے چلے گئے اور ان کی

مفلسی اور غریبی کا یہ حال تھا کہ قافلوں کو لوٹنا ان کا ذریعہ معاش تھا اور اس ظلم کو دیکھئے کہ بے چارے قافلے جن میں عورتیں، بچے اور ضعیف ہوتے تھے حج کرنے یا تجارت کرنے کے لیے شام یا یمن جارہے ہوتے بس کسی قبیلے نے ان پر حملہ کیا اور سارا کچھ لوٹ لیا دو چار مہینے مزے اُڑائے اور موجیں کیں اور اس کے بعد کسی اور قافلے کو تاکا اور لوٹا اس سے اپنا مطلب نکالا، یہ ان کی حالت تھی، اخلاق کا یہ حال تھا کہ ان کا کوئی اخلاق نہ تھا لڑکیوں کو زندہ در گور (زمین میں دفن) کردیا کرتے تھے، شراب کے ایسے رسیا تھے اور ان کو ایسی دھت تھی کہ ان کی زبان میں شراب کے لیے سینکڑوں نہیں ہزاروں نام تھے، اور شراب اتنی عام تھی کہ شراب بیچنے والوں کو تاجر کہا کرتے تھے، تاجر کے معنی قدیم عربی میں شراب بیچنے والے کے ہیں۔ شراب کی تجارت ہی اصل تجارت تھی، اگرچہ کوئی چیز عام طور پر بکتی تھی تو وہ شراب تھی، زناکاری اور بدکاری کا ایسا رواج تھا کہ گھروں پر جھنڈے لگائے جاتے تھے کہ یہ جگہ اڈا ہے، یہاں آدمی آئے اور منھ کالا کرے ان کے اندر نکاح کے علاوہ بھی اولاد پیدا کرنے کے اتنے طریقے رائج تھے، میں اس وقت خدا کے گھر میں ان کو بیان نہیں کرسکتا۔ قرآن مجید نے اس دور کی تصویر کھینچ دی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اس زمانے کا نام ہی جاہلیت رکھا گیا ہے۔ یعنی تاریک زمانہ، بے خبری وحشت وجہالت کا زمانہ ایسی قوم تھی یہ عرب قوم، اللہ تبارک وتعالیٰ اس دنیا کا پیدا کرنے والا ہے، اس نے اس دنیا کو تماشا دیکھنے اور تماشا دکھانے کے لیے پیدا نہیں کی اس نے اپنی عبادت کے لیے اور منشاء کے مطابق چلنے کے لیے بنائی ہے وہ

صاف صاف فرماتا ہے:

"خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً". (۱) یعنی جس نے موت اور زندگی پیدا کی تاکہ تم کو آزمائے کہ تم میں سے اچھا عمل کرنے والا کون ہے وہ فرماتا ہے "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ". (۲) میں نے جن اور انسان کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں اور میرے منشاء پر چلیں اور میرے حکم کے مطابق زندگی بسر کریں اور فرماتا ہے۔

"اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثاً وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ". (۳) کیا تم نے سمجھ لیا ہے کہ ہم نے تم کو یوں ہی فضول پیدا کیا ہے، اور تم ہمارے پاس لوٹ کر نہیں آؤ گے۔

اللہ تعالیٰ جس کی نظر سے دنیا کبھی بھی اوجھل نہیں ہے نے زمین کے نقشے پر نظر ڈالی تو اس کو دنیا کا یہ نقشہ بہت ناپسند آیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "ان اللّٰہ نظر الی اہل الارض فمقتہم عربہم و عجمہم الا بقایا من اہل الکتاب" جب اللہ تعالیٰ نے دنیا پر نظر ڈالی تو کیا عربی اور کیا عجمی سب سے اس کو نفرت ہوئی اس نے کہا کہ یہ کیا دنیا ہے جو میں نے بنائی ہے، دنیا والوں کو بنایا کس کام کے لیے لیکن یہ کچھ اور کام کرنے لگ گئے اس کو یہ دنیا بہت ہی ناپسند آئی، اب اس کی غیرت جوش میں آئی اس نے دنیا کی اصلاح اور ہدایت کا ارادہ فرمایا تو اس نے ملک عرب میں پیغمبر بھیجا، وہ پیغمبر ایسا ہو جس کے ساتھ روح القدس کی طاقت اور آسمانی لشکر ہو، اللہ تعالیٰ کو پیغمبر کے ذریعے ہدایت دینا ہے مگر

(۱) سورۃ الملک: ۲۔ (۲) سورۃ الذاریات: ۵۶۔ (۳) سورۃ المومنون: ۱۱۵

دنیا کی ہدایت کے لیے پیغمبر کے کام کو لے کر چلنے والے آدمی بھی چاہئیں۔

اب دنیا کی ہدایت کے لیے اس کی حالت بدلنے کے لیے دنیا میں انقلاب لانے کے لیے اس کا رخ شر سے خیر کی طرف لانے کے لیے کون اٹھتا ہے، یہ تھا سوال؟ اس نے ہلاکت و بربادی سے ترقی اور امن وسلامتی کی طرف رخ موڑنے کے لیے کون سی جماعت کونسی قوم اور کون سا ملک سامنے آتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ ایرانی بھی تھے، ہندوستانی بھی تھے، یونانی بھی تھے، رومی بھی تھے اور ساری دنیا پڑی ہوئی تھی، مگر دنیا کی ہدایت کے کام کے لیے اپنے کو وقف کرنے کے لیے اور اپنی جان جھونکنے کے لیے اپنے مال اور اولاد کی بازی لگانے کے لیے دنیا کی کوئی قوم تیار نہ تھی کام بہت مشکل تھا اور ایک ایسی قوم درکار تھی کہ جو اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے آگے پھر کسی چیز کی پرواہ نہ کرنے والی ہو۔

دنیا کے نقشے پر نظر ڈالو!

میرے دوستو اور بزرگو! اس زمانے میں دنیا کے نقشے پر نظر ڈالو اس وقت دنیا میں بگاڑ اس حد تک اور اتنا دور پہنچ گیا تھا اس کی جڑیں اتنی گہری، انسانیت کے جسم، انسانیت کے دماغ اور اس کے دل کے اندر اس طرح پیوست ہوگئی تھیں کہ اس بگاڑ کو دور کرنے کے لیے معمولی کوششیں کافی نہ تھیں، آرام، آرام سے چلنا، تھوڑا تھوڑا وقت لگانا اپنی مصلحتوں اور فائدے کو بچا بچا کر اپنی اولاد، اپنے گھر بار کو دیکھتا اور دیکھ کر کے احتیاط سے کام کرنا اس سے انسانیت کی

یہ گاڑی دلدل میں پھنس گئی تھی۔ یہ نکلنے والی نہیں تھی، جب بگاڑ انتہا کو پہنچ
جاتا ہے جب بیماری انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو معمولی کوشش اور معمولی دوا کام نہیں
کرتی، اس وقت تو جان کی بازی لگا کر جان پر کھیل جانے کی ضرورت ہوتی ہے
فرض کرو تمہارے شہر میں سیلاب آ گیا ہے (خدا تمہارے شہر کو محفوظ رکھے) یہ
آپ کا رنگون کا دریا ہے یہ بڑھا اس کا پانی شہر رنگون اور اس کے محلوں میں پھیل گیا
یہاں کی عمارتیں ڈوبنے لگیں آدمی ڈوبنے لگے تو اب اس سے کام نہیں چلے گا، کہ
چھوٹی چھوٹی کشتیاں لاؤ اور اطمینان کے ساتھ لوگوں کو نکالو، اور اپنے سب کام
کرتے رہیں کارخانے والے کارخانے میں جاتے رہیں، مدرسے والے
مدرسے میں پڑھتے پڑھاتے رہیں، سینما کے تماشے بھی ہوتے رہیں، لوگ رات
بھر میٹھی نیند سوتے رہیں، کھانے کے اوقات میں بھی کوئی فرق واقع نہ ہو، انسان
کی زندگی کا جو ڈھانچہ ہے وہ بالکل اسی طرح سے برقرار رہے تو سیلاب کا مقابلہ
اس طرح سے نہیں ہو سکتا، اگر مثلاً خدانخواستہ کسی گاؤں میں آگ لگ گئی ہو
اور تیزی سے پھیل رہی ہو تو آرام آرام سے اس کو بجھانا، چھوٹی چھوٹی شیشیاں
اور چھوٹے چھوٹے پیالے لے کر ان میں پانی ڈالنے کے لیے احتیاط سے نل
کھولنا اور پھر آگ پر پانی آرام آرام سے ڈالنا اس سے کام نہیں چلے گا۔ جب
آگ سارے گاؤں کو جلا کر خاکستر بنانے کے لیے تیار ہو، اور ایسا نظر آ رہا ہو کہ
اب چند گھنٹوں میں یہ گاؤں جل کر خاکستر ہو جائے گا اور مویشی آدمی مال
اور جان سب کے سب ختم اور جل کر راکھ ہو جائیں گے تو اس وقت کھانا کھانے
والے کھانا چھوڑ دیتے ہیں، اس وقت کھیتی کرنے والے کھیت چھوڑ کر چلے آتے

ہیں، اس وقت دکانوں پر بیٹھنے والے دکانوں کو کھلا چھوڑ کر آگ بجھانے کے لیے کود پڑتے ہیں، اس وقت جو ماں اپنے بچوں کو دودھ پلا رہی ہوتی ہے وہ بچوں کو پٹخ دیتی ہے اور دیوانوں کی طرح دوڑ پڑتی ہے، اس وقت بیمار اپنی بیماری کو نہیں دیکھتا اپنے بستر سے کود کر کے دوڑ آتا ہے، وہ جانتا ہے کہ اگر یہ آگ ہمارے گھروں تک پہنچ گئی تو اس چارپائی پر پڑا پڑا جل کر خاک ہو جاؤں گا۔

اس وقت کا سب سے بڑا قانون، اس وقت کا سب سے بڑا اخلاق اور اس وقت کا سب سے بڑا فریضہ یہ ہوتا ہے کہ سارے کام بند کرو اور اس آگ کو بجھاؤ اگر یہ آگ تھوڑی دیر اور رہ گئی تو نہ کتب خانے باقی رہیں گے نہ مدرسے باقی رہیں گے نہ خانقاہیں باقی رہیں گی نہ ہی مسجدیں باقی رہیں گی۔

دوستو! اس وقت دنیا میں بڑے بڑے تاجر تھے، بڑے پڑھے لکھے تھے، بڑے مہذب تھے، بڑا علم ان کے پاس تھا، بڑی اونچی اونچی دکانیں تھیں، ان کے بڑے ترقی یافتہ کاروبار تھے، تمام دنیا میں ان کی تجارت پھیلی ہوئی تھی، ان کو کام کرنے کا بڑا سلیقہ تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی قابلیت دی تھی کہ ہزاروں میل کے رقبے اور ہزاروں میل کی لمبی چوڑی سلطنتوں کا وہ انتظام کر رہے تھے وہ اگر اس حالت میں دنیا کی حالت بدلنے کے لیے کود پڑتے تو بہت کام کر سکتے تھے مگر وہ اس کے لیے تیار نہ تھے، ان کو ان کی طرز زندگی نے ایسا جکڑ رکھا تھا اور ایسا اپنا غلام بنا رکھا تھا کہ وہ گویا اپنے ہی پنجرے میں گرفتار تھے جیسے چڑیا اپنے پنجرے میں گرفتار ہوتی ہے اسی طرح وہ اپنے بنائے ہوئے پنجرے میں اپنے عیش اور تمدن کے پنجرے میں چڑیوں کی طرح بند تھے وہ

اندر رد بے ہوئے تھے مگر باہر نکلنے کے لیے کوئی تیار نہ تھا۔

عربوں کا انتخاب

اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے عرب کی اس نیم وحشی قوم کو جس کے پاس اخلاق کی کمی تھی جس کے پاس تمدن کی کمی تھی جس کے پاس دولت کی کمی تھی، جس کے پاس تنظیم کی کمی تھی، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی برکت سے ان کے بہت سے آدمیوں کے دل میں یہ ڈالا کہ یہ وقت ہے نہ اولاد کو دیکھنا چاہئے نہ گھر بار کو نہ جائیداد کو دیکھنا چاہئے اور نہ کاروبار کو، نہ اپنی ذاتی ترقی کو نہ آرام کو دیکھنا چاہئے، اس وقت دیکھنا چاہئے انسانیت کو جو صدیوں سے پامال ہو رہی ہے اور صدیوں سے اُجڑ رہی ہے، صدیوں سے اس کو لوٹا جا رہا ہے، اور اس پر ظلم کیا جا رہا ہے، اس وقت دنیا سے ہدایت بالکل گم ہو چکی تھی، دلوں اور دماغ کی روشنی بالکل بجھ چکی ہے، بہت بڑی بڑی شمعیں جلائی جاتی ہیں، بڑی بڑی روشنی گھروں میں کی جاتی تھی، مگر دل بالکل تاریک ہیں، انسان انسان کو کھائے چلا جا رہا ہے، بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کھا جاتی ہے اور طاقت ور کمزور کو ہضم کر لیتا ہے بادشاہ تمام دنیا کو لوٹ رہے تھے اور بے چارے غریب کسانوں اور کاشتکاروں کا طبقہ اپنی قسمت پر بیٹھا رو رہا تھا ان کو نانِ جویں بھی حاصل نہیں ہے جب کہ بادشاہوں کے کتے اور ان کے گھوڑے دودھ میں گویا نہا رہے ہیں بلکہ غوطے لگا رہے تھے، اور انسان جو اشرف المخلوقات ہے وہ دانے دانے کو ترس رہا تھا اس کے علاوہ یہ پوری کی پوری نسل اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے محروم دنیا سے چلی جا رہی ہے اور یہ

عاقبت سے بالکل بے خبر ہے اور یہ کہ ان لوگوں کی مٹی بالکل خراب ہے، ان کو معلوم نہ تھا کہ مرنے کے بعد کیا حال ہوگا، انہوں نے مالک کو پہچانا نہ اس کا نام کبھی اپنی زبان سے لیا، اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کو فکر دی اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں میں ہاتھ دے دیا اور کہا کہ ہم حاضر ہیں ہم سے کام لیجئے، ہمیں بالکل عذر نہیں ہے اور ہم مڑ کر اپنے گھروں کو نہیں دیکھیں گے، اپنی اولاد کو نہیں دیکھیں گے، اپنے عیش و آرام کو نہیں دیکھیں گے، ان میں جو امیر تھے اپنی امارت کو چھوڑ کر اور جو غریب تھے اپنا جھونپڑا چھوڑ کر اور جو چھوٹے دکاندار تھے اپنی دکانیں چھوڑ کر جو بڑے کارخانہ دار تھے وہ اپنے کارخانے چھوڑ کر اور جو بڑے اعلیٰ درجے کے لباس پہنتے تھے اپنے لباس سے بے پرواہ ہو کر ہر طبقے کے لوگ نکل آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ایک جماعت بنائی جس کا نام امت مسلمہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام فرمانبرداروں اور کام کرنے والوں کو لے کر دنیا میں نکلے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے اس بگاڑ کا مقابلہ کیا وہ آگ جو دنیا میں لگی ہوئی تھی جو ساری انسانیت کو بھسم کرتی جارہی تھی اس کو بجھانے کے لیے اپنی چھوٹی سی جماعت کو جھونک دیا، اور اللہ تعالیٰ کے وہ بندے بے سوچے سمجھے مخلصانہ انداز میں اس میں کود پڑے انہوں نے کہا کہ ہمیں کوئی پرواہ نہیں اگر ہماری زندگی ہے تو پھر کھا پی لیں گے اور اپنے اپنے کاروبار کو دیکھ لیں گے، اس وقت ہم اس کے سوا کچھ نہیں کریں گے اس وقت پوری کی پوری دنیا ہلاکت کے گڑھے کی طرف جارہی تھی اور بالکل قریب پہنچ چکی تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

"وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا"۔(۱) تم جہنم کے گڑھے کے بالکل کنارے پر پہنچ گئے تھے اور بس گرا چاہتے تھے ایک قدم آگے بڑھاتے تو جہنم کی بالکل تہہ اور گہرائی میں پہنچ جاتے عین اسی حالت میں یہ جماعت سامنے آ گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جماعت سے کام لینا شروع کیا یہاں تک کہ یہ حضرات ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچے اور مدینہ طیبہ میں انصار حضرات جو مسلمان ہو گئے تھے، ان کے ساتھ مل گئے اب ان دونوں حضرات، مہاجرین وانصار دونوں نے مل کر اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت کا بیڑہ اٹھایا اور کام کرنا شروع کیا۔

انصار ومہاجرین کی قربانیاں

کچھ عرصہ کے بعد جب مسلمانوں کو سانس لینے کا موقع ملا اور اسلام کو ترقی ہونی شروع ہو گئی اور لوگ اسلام قبول کرنے لگے تو حضرات انصار رضی اللہ عنہم جو وہاں کے اصلی باشندے تھے وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے دل میں یہ آیا کہ ہم بہت دن سے اسلام کی خدمت کر رہے ہیں، ہم نے اپنے آپ کو بالکل قربان کر دیا ہے اور اپنے کاروبار وغیرہ سب کو مٹا دیا ہے تو ذرا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر چھٹی لے لیں اور اپنے کاروبار کو دیکھ لیں کچھ دن دکانیں وغیرہ کھولیں گے دکان جب چلنے لگے گی کاروبار جب سنبھل جائے گا تو اس کے بعد ہم پھر حاضر ہو جائیں گے، ہم مستقل چھٹی نہیں لیتے دین کی خدمت سے ہم

---

(۱) سورۂ آل عمران: ۱۰۳

ریٹائر نہیں ہوتے ہم صرف تھوڑے دنوں کی چھٹی لیتے ہیں اس کے بعد ہم حاضر ہیں ہمیں کوئی عذر نہیں ہے۔

پھر انہی انصار کو دیکھئے دین و ایمان کی حمیت و غیرت اور قربانی دینے کا جذبہ ان کے اندر ایسا بیٹھ چکا کہ وفات نبوی کے ایک زمانہ کے بعد جب قسطنطنیہ (استنبول کا دارالخلافہ) کا محاصرہ ہو رہا تھا، اسلامی فوج اس کے دروازے پر پڑی ہوئی تھی، برابر جنگ جاری تھی فیصلہ نہیں ہوتا تھا کہ ایک مرتبہ عین لڑائی میں مسلمانوں کے لشکر میں سے ایک آدمی نکلا اس پر اس وقت ایسا شجاعت کا جذبہ غالب ہوا کہ وہ عیسائیوں کی فوج کی صفیں چیرتا پھاڑتا ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچتا۔ جدھر اس کی تلوار چمکتی بادل کی طرح لوگ پھٹ جاتے کسی نے دیکھا دا روی کچھ صاحب کہنے لگے کہ دیکھو یہ اللہ کا بندہ خودکشی کر رہا ہے یہ بالکل خدا کے حکم کے خلاف کر رہا ہے یہ اپنے آپ کو موت کے منہ میں ڈال رہا ہے، خواہ مخواہ کیا ضرورت ہے اس کو اس طرح جان دینے کی، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے کہ ایک آدمی ہزاروں کے مجمع میں گھس جائے اور آدمیوں کے بیچ میں کود پڑے، یہ نہیں چاہئے پھر ان صاحب نے یہ آیت پڑھی اور اکثر آج بھی ایسے موقعوں پر پڑھی جاتی ہے بعض مسلمانوں نے اس کا ایسا مطلب بیان کر دیا، وہ آیت یہ ہے:

"وَلَاتُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ". (۱)

کہ اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔

---

(۱) سورۃ البقرۃ: ۱۹۵

سیدنا حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے میزبان رہ چکے تھے جو بڑے جلیل القدر صحابی اور عالم دین تھے، وہ بے چین ہوگئے کہنے لگے لوگو! تم کیا جانو اس آیت کا مطلب اس آیت کا مطلب ہم سے پوچھو یہ ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے میں تمہیں اس کی تفسیر بتاتا ہوں تم بالکل اس کے غلط معنی لے رہے ہو، یہ آیت اس وقت نازل ہوئی کہ ہم انصاری حضرات جو باغوں کے مالک تھے اور تجارت جن کا پیشہ تھا ہم لوگ جو مدینہ طیبہ میں رہتے تھے کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد جب اسلام کی ترقی کا دور شروع ہوگیا تو ہم نے یہ خیال کیا اور ہمارے میں یہ بات آئی اور مشورہ کیا کہ اب اسلام کی خدمت کرنے والے بہت ہوگئے ہیں، اب ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ دن کی چھٹی لے لیں، آپ بڑے شفیق ہیں، آپ ہمیں چھٹی دے دیں گے ہم عرض کریں گے کہ ہمیں ہوش نہیں تھا سوائے دین اسلام کے ہم اسی لیے جان ہتھیلی پر لیے پھرتے تھے اب اللہ کا شکر ہے کوئی قریبی خطرہ نہیں ہے اس لیے ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ دنوں کی چھٹی لے لیں اپنے ذاتی کاروبار سنبھالتے اور اس کو ایک حد تک پہنچانے کے بعد ہم پھر حاضر ہوجائیں گے اور خدمت کریں گے بس اس خیال کا ہمارے دل میں آنا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آیت نازل کردی:۔

"وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ"

کہ اے اللہ کے بندو! کیا سوچ رہے ہو کیا اپنے ہاتھوں ہلاکت میں پڑنا چاہتے ہو دیکھو اس وقت ساری انسانیت کی اصلاح کا بوجھ تمہارے کاندھوں

پر ہے، اس وقت اپنے باغوں کو نہ دیکھو انسانیت کے باغ کو دیکھو، اس وقت اپنی دکان کو نہ دیکھو ایمان کی دکان دیکھو۔ ایمان کے سودے کو دیکھو اس وقت اپنی جان کو نہ دیکھو، اس وقت انسانوں کی جان کو دیکھو کہ یہ کروڑوں انسان جو اس وقت دنیا میں بستے ہیں سب کفر کے خطرے میں ہیں اور سب خطرے میں ہیں اس بات کے کہ یہ سب دنیا سے بغیر ایمان کے اٹھ جائیں اور قیامت میں جہنم کی آگ میں ہزاروں لاکھوں کروڑوں برس تک جلتے رہیں۔ ایسی حالت میں تم کو اپنی جان کو دیکھنا اپنے مال کو دیکھنا اپنے کاروبار کو دیکھنا جائز نہیں تم اپنے ہاتھوں ہلاکت میں پڑنا چاہتے ہو ہلاکت کے غار میں کودنا چاہتے ہو تو تمہی نہیں کودو گے بلکہ ساری دنیا تمہارے ساتھ اس ہلاکت کے غار میں گر جائے گی اور پھر انسانیت کے لیے اور کوئی وقت نہیں آئے گا، تم انسانیت کا آخری سہارا ہو سینکڑوں برس سے تمہاری جماعت کا آسمان کو انتظار تھا، فرشتوں کو انتظار تھا سارے انسانوں کو انتظار تھا، ساری دنیا کو انتظار تھا کہ ایک جماعت ایسی آئے مخلصوں کی، جان بازوں کی، دیوانوں کی، کہ اپنی جان کی، اپنے مال کی اپنے کاروبار کی، دکان کی پرواہ نہ کرے اور انسانیت کو صحیح راستے پر لگانے کے لیے اپنی ہر چیز کو خطرے میں ڈال دے، اب تم باغوں کو دیکھتے ہو، دیکھو! اگر یہ باغ تمہارے اُجڑ جائیں گے تو تمہارا کیا نقصان ہوگا چند درخت سوکھ جائیں گے اور چند سو روپے کا نقصان ہوگا ایک انسان کا باغ ہے یا ایک خاندان کا باغ ہے لیکن اگر تم نے اس وقت پہلو تہی کی اور تم انسانیت کے مسئلے کو بھول گئے اور اپنے مسئلے کو دیکھا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ انسانوں کی ہدایت صدیوں کے لیے اور شاید

ہزاروں برس کے لیے ملتوی ہو جائے یہ وقت روز روز نہیں آتا حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد آج پانچ چھ سو برس کے بعد یہ وقت آیا ہے یہ وقت ہے اپنے مسئلے سے آنکھ بند کر لینے کا اور انسانیت کے مسئلے پر سوچنے کا ہم اس خیال سے باز آئے ہم نے توبہ کی اور ہم نے کہا ہم کو کچھ نہیں کرنا ہے ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا حکم کریں گے ویسا ہی ہم کریں گے چنانچہ انہی مہاجرین وانصار نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ کہیں ہم سمندر میں گھوڑے ڈال دیں اگر آپ کہیں دنیا کے پرلے سرے تک ہم بھاگتے چلے جائیں۔ گھوڑے دوڑاتے چلے جائیں آپ جو کہیں اسے ہم کرنے کو تیار ہیں۔

جب ایمان کی باد بہاری چلی

کیا نتیجہ ہوا اس کا دوستو! کہ دنیا میں ایمان وہدایت کی ہوا چلی، ایمان وہدایت کی ہوا نہیں آندھی چلی، آندھی چلی اتنے زور سے آندھی چلی کہ دنیا میں کوئی درخت ایسا نہ تھا کہ جس کا پتہ ایک بار ہل نہ گیا ہو، اس سے مردے زندہ ہو گئے، وہ ایسی باد بہاری تھی ایسی زندگی بخشنے والی ہوا تھی ایسا ٹھنڈا جانفزا جھونکا تھا کہ اس سے دنیا میں جان پڑ گئی ساری دنیا میں اس مردہ انسانیت میں جان پڑ گئی وہ دنیا جو شر کی طرف بگٹٹ بھاگی جا رہی تھی سرپٹ دوڑ رہی تھی اور کوئی گھڑی تھی کہ وہ اس میں جا پڑتی اس کا رخ شر سے خیر کی طرف، کفر سے ایمان کی طرف، مادیت سے اطاعت کی طرف اور اللہ تعالیٰ کے بغض سے اور اللہ تعالیٰ کے معتوب ہونے سے محبوبیت اور مقبولیت کی طرف ہو گیا ان کی ان کوششوں کا

نتیجہ کیا ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نگاہ کرم انسانیت پر دوبارہ ہوگئی اور اللہ نے انسانوں کو دوبارہ ہدایت دینے کا اور ترقی دینے کا اور انسانوں کو روحانی کمالات سے مالا مال کرنے کا فیصلہ فرمایا اور پھر وہ انسانی نسل جس میں سانپ بچھو پیدا ہورہے تھے مائیں سانپ اور بچھو جنم دے رہی تھیں بھیڑیئے چیتے اور درندے وغیرہ جن رہی تھیں وہ مائیں جو بندر اور سور جن رہی تھیں وہ مائیں اولیاء اللہ جننے لگیں۔

وہ مائیں اب بڑے بڑے عالم، امام اور بڑے بڑے عارف اور بڑے بڑے ولی اللہ جننے لگیں یہ ان لوگوں کی کوششوں کا نتیجہ ہوا کہ وہ انسانیت جو بالکل بانجھ ہوگئی تھی "عقیم" ہوگئی تھی، کہ اس کے اندر ایک خدا کا ایک فرمانبردار بندہ، ایک اپنی ماں کا لال پیدا نہیں ہوتا تھا، جو پیدا ہوتے تھے خونخوار درندے، بدمست، خدا کو بھولنے والے، ظلم کرنے والے آج اسی انسانیت میں سینکڑوں نہیں ہزاروں کی تعداد میں اولیاء اللہ پیدا ہونے لگے۔

یہ یونہی نہیں ہوا، انصار ومہاجرین کی انہی قربانیوں، دین کے خاطر، اللہ کے کلمہ کی سربلندی کی خاطر اپنے کاروبار، باغبانی، زراعت وتجارت سے آنکھ بند کرلینے، اس مادی نفع نقصان سے بے پرواہ ہوجانے کا کیا کیا نتیجہ نکلا، کیسے کیسے لوگ پیدا ہوئے اور کیسی کیسی فتوحات سامنے آئیں میں تفصیل میں نہیں جاتا! اماموں میں سے ایک امام ابوحنیفہؒ کا نام سن لو، اولیاء اللہ میں سے ایک سیدنا عبدالقادرؒ جیلانی کا نام سن لو اور ایک سیدنا عبدالقادر جیلانی نہیں اپنے رتبے میں تو بےشک بہت بڑے تھے لیکن کونسا ملک ہے کونسا قصبہ ہے، کونسا گاؤں ہے جہاں اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے پیدا نہ ہوئے ہوں جہاں مردان خدا پیدا نہ

ہوئے ہوں، جہاں بڑے بڑے دانشور اور درویش پیدا نہ ہوئے ہوں، یہ سب ان حضرات کی کوششوں کا نتیجہ تھا، اگر صحابہ کرام اس وقت اپنا باغ دیکھتے اپنی دکانیں دیکھتے اپنے مسئلے دیکھتے اپنی حکومت دیکھتے اپنی عزت دیکھتے تو انسانیت میں یہ انقلاب دنیا میں یہ انقلاب نہ آتا اور دنیا جہاں تھی وہیں کی وہیں رہتی، بلکہ روز بروز تباہ ہوتی چلی جاتی اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کی طرف سے ساری مخلوق کی طرف سے ان حضرات پر، ان بلند ہمتوں پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور ان کی روحوں کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے کہ انہوں نے ہمارے اور آپ کی خاطر اور تمام انسانیت کی خاطر اپنی جان کی بازی لگائی اور اپنی اولاد اور اپنے گھر بار کو، اپنے پیٹ کو، اپنے مادہ کو، اپنے دیس، اپنے وطن کو اپنی خواہشات کو، اپنے نفس کے تقاضوں کو سب کو انہوں بالکل نظر انداز کیا اور بالکل وہ بھول گئے اور کچھ برس تک انہوں نے ایسی محنت کی، ایسی محنت کی کہ یہ ساری دنیا دوبارہ زندہ ہوگئی۔ آج کسی بھی ملک میں چلے جاؤ خدا کے فضل وکرم سے بڑے بڑے عالم، بڑے بڑے زاہد، بڑے بڑے ولی اللہ، بڑے بڑے مدرسے، بڑی بڑی خانقاہیں، بڑے بڑے کتب خانے ملیں گے، ہر جگہ اللہ کے نام کا چرچا ہے، اللہ کے راستے کی طرف بلانے والے ہیں، مسجدیں آباد، کہاں یہ رنگون، کہاں مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کا شہر، دیکھو کیسی کیسی خوبصورت مسجدیں، کیسی کیسی وسیع مسجدیں بنی ہوئی ہیں، اور کتنے ہزاروں کی تعداد میں لوگ نماز پڑھتے ہیں، ابھی ہم نے عشاء کی نماز پڑھی اور اس سے پہلے مغرب کی نماز بڑی دھوم دھام سے پڑھی تھی یہ سب نتیجہ ہے ان حضرات کی محنت کا، اب آیئے اس کے بعد پھر اسی طریقے سے ان کے

جانشین پیدا ہوتے رہے اللہ کے بندے سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں ہر زمانے میں ایسے رہے ہیں کہ سب کچھ وہ لے سکتے تھے، ان کو وزارت مل سکتی تھی، ان کو حکومت اور ان کو کرسیاں مل سکتی تھیں، مگر انہوں نے کہا کہ ہم کو یہ نہیں لینا ہے ہم اپنے نامۂ اعمال میں اپنے لیے ہم صرف خدا کے نیک بندے لکھانا چاہتے ہیں، انسانیت کی کمائی چاہتے ہیں کہ صرف خدا کے نیک بندے ہمارے حصے میں آئیں، ہم ہدایت اور تبلیغ کا کام کریں گے اور ہمیں کسی سے کوئی سروکار نہیں، وہ اللہ کے بندے گھر بار چھوڑ کر، اپنی دکان، اپنے مکان اور کارخانے چھوڑ کر اور تمام ترقیاں جوان کو مل سکتی تھیں ان کو بھول کر اور وہ اس راستے پر دیوانہ وار چل پڑے اور کسی نے کسی ملک کا انتخاب کیا اور وہاں انہوں نے اللہ کا نور پھیلایا اور دین اسلام کی تبلیغ کی اس طریقے سے ہر نسل کے بعد ایک نسل، ہر نسل کے بعد ایک نسل ایسی آتی رہی چراغ سے چراغ جلتا رہا، ایک برس کا زمانہ ایک مہینے کا زمانہ ایک ہفتے کا زمانہ ایک دن کی مدت بھی ایسی نہیں گزری کہ اس امت میں ہدایت کا تبلیغ کا کام کرنے والے دنیا کے مختلف حصوں میں نہ رہے ہوں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی ملک اللہ کی یاد سے اور اللہ تعالیٰ کے پہچاننے والوں سے خالی نہیں اب اس کے بعد یہ سلسلہ چلتے چلتے ہم تک پہنچا۔

یہ جو آیت میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے:

"ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ" اور پھر ہم نے تم کو زمین پر جانشین بنایا تمہارے اگلوں کا تاکہ ہم دیکھیں تم کیسا عمل کرتے ہو آج اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم کو اس زمانے میں پیدا

کیا، زمانہ بہت خراب، لیکن کرنے والے ہر زمانے میں کرتے رہے ہیں، جب تلوار سر پر لٹک رہی تھی تب بھی لوگوں نے کہا جب تاتاریوں نے طوفان بپا کر رکھا تھا اور اس وقت کسی کو اپنی جان کا اطمینان نہیں تھا، اور کوئی سانس نہیں لے سکتا تھا، پوری دنیائے اسلام میں بڑے بڑے بہادر ڈبکے پڑے تھے اور بڑے بڑے بادشاہ کوتوں میں پڑے ہوئے تھے اور کوئی میدان میں نہیں نکل سکتا تھا اس وقت بھی اللہ کے بندوں نے نہ صرف یہ کہ دوسروں پر تبلیغ کی بلکہ تاتاریوں تک کو مسلمان کر لیا۔

تم کو اس ملک کی امامت وہدایت کا کام سونپا گیا ہے

اب میرے دوستو اور بزرگو! آج یہ برما کا ملک ہے ہمارے تمہارے لیے پڑا ہوا ہے، اللہ کی مخلوقات کا ایک باغ ہے، اور انسانوں کا ایک جنگل ہے جو تمہارے حوالے کیا گیا ہے، تم جو اس ملک میں لائے گئے ہو یقین کرو کہ تم کھانے پینے کے لیے دکان کرنے کے لیے تجارتوں کو ترقی دینے کے لیے نہیں آئے، یاد رکھئے ہمارے سورتی بھائی، ہمارے راندیر کے بھائی، گجرات کے بھائی، بمبئی کے بھائی، ہندوستان کے بھائی، یوپی کے بھائی، پنجاب کے بھائی جو یہاں آئے ہوئے ہیں ہرگز اللہ تعالیٰ نے ان کو اس لیے نہیں بھیجا کہ یہاں آ کر صرف کام کریں صرف اپنا بیوپار کریں، اور روپیہ کما کر کے یہاں سے چلے جائیں یا یہیں رہیں اور کھاتے پیتے رہیں، ہرگز نہیں اللہ تعالیٰ نے تم کو جانشین بنایا ہے ان نسلوں کا ان بندوں کا کہ جنہوں نے دنیا میں ہدایت وتبلیغ کا کام کیا تھا، اور آج اللہ تعالیٰ نے تم کو اتنا بڑا انسانی کارخانہ عطا فرمایا ہے تم کو اس ملک

کا امین بنایا ہے، تم کو اس ملک کی امامت و ہدایت کا کام سونپا ہے، اس میں کروڑوں انسان بستے ہیں یہ پونے دو کروڑ انسانوں کی بستی ہے جس کو برما کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے یہ تم کو دے رکھا ہے اور کل تم سے پوچھا جائے گا کہ:۔ "لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ" کہ تم نے یہاں کیا کیا؟ یہاں اپنی قوم میں اضافہ کرنے کے لیے نہیں بلکہ اللہ کے بندوں کو جہنم کے عذاب سے بچانے کے لیے اور اس جہالت اور اس حیوانیت کی زندگی سے نکالنے کے لیے اور اللہ کی روشنی میں اور ہدایت میں داخل کرنے کے لیے ان کو جنت کا مستحق بنانے کے لیے ان پر اللہ کی رحمت کے دروازے کھولنے کے لیے ان کو خدا کا مقبول بندہ بنانے کے لیے اور ان کو دنیا و آخرت کے خطرات سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے تم کو اس ملک میں رکھا ہے اور دور دور سے تم کو یہاں بھیجا ہے اور تم تو سمجھتے تھے کہ ہم کمانے جارہے ہیں لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارادہ اور اللہ تعالیٰ کا منشا یہ تھا، تم یہاں آکر ہدایت و تبلیغ کا کام کرو، آج حالت یہ ہو رہی ہے کہ اٹھارہ بیس لاکھ کی مسلمانوں کی جو قوم ہے اسی کے ایمان کے لالے پڑے ہوئے ہیں، اسی میں ارتداد پھیل رہا ہے، ہم نے سنا ہے کہ یہاں بہت سے علاقوں میں ارتداد پھیلتا چلا جا رہا ہے، لوگ دین سے ہٹتے جا رہے ہیں، لوگ بدھ مت اختیار کرتے جا رہے ہیں، مسجدیں چھوڑ کر اور ان سے نکل کر کلیساؤں اور پیگوڈاؤں میں جا رہے ہیں، بدھ مذہب اور عیسائی مذہب اختیار کر رہے ہیں، اپنے دین کو بالکل بھولتے جا رہے ہیں، آپ پر دوہری ذمہ داری ہے، ایک ذمہ داری اپنے بھائیوں کی اس اٹھارہ بیس لاکھ قوم کی اور ایک ذمہ داری اپنے ان برادران وطن کی جو وہ اور آپ ایک ہی پانی سے پیاس بجھاتے ہیں ایک ہوا میں سانس لیتے ہیں، ایک زمین پر چلتے پھرتے ہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آج آپ کو اس ملک میں رکھا ہے ایک ایک بندے کے متعلق آپ سے سوال ہوگا ایک ایک مسلمان سے متعلق اللہ تعالیٰ آپ سے سوال کرے گا کہ ہم نے تمہیں وہاں پیدا کیا تھا، ہم نے تمہیں وہاں بھیجا تھا اور ایمان کی دولت نصیب کی تھی، کھانے پینے کے لیے پیٹ بھرنے تک کا سامان دے دیا تھا، ہاتھ پاؤں دیئے تھے اور صحت دی تھی تندرستی دی تھی تم نے کیا حق ادا کیا؟

تم ایک امتحان گاہ میں ہو!

میرے دوستو! تم ایک دارالامتحان میں ہو، تم دارالتجارہ میں نہیں ہو، منڈی میں نہیں ہو، تم کسی بازار میں نہیں ہو، تم امتحان گاہ میں ہو، آج تم نہیں سمجھ رہے ہو لیکن کل روز قیامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منھ دکھاؤ گے جب تم آپ کے سامنے آؤ گے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہاری پیشی ہوگی اور اس وقت تمہیں معلوم ہوگا جب تم سے حساب ہوگا اس وقت کا اس جگہ کا اور یہاں کے انسانوں کا اور تم سے جواب طلب کیا جائے گا کہ صرف تم اس لیے تھے کہ کارخانے قائم کرو آمدنی میں اضافہ کرو اور تمہیں فرصت نہ ہو کسی وقت کمانے سے اور اولاد کے پالنے سے فرصت نہ ہو اور مخلوق تباہ ہو رہی ہو۔

تم اس ملک برما میں کس لیے آئے؟

تم اس ملک برما میں کس لیے آئے تم تو اس لیے آئے تھے کہ اس قوم میں تمہاری محنتوں اور کوششوں سے اولیاء اللہ پیدا ہوں بڑے بڑے عارف اور امام پیدا ہوں بڑے بڑے محدث اور مجتہد پیدا ہوں، محقق پیدا ہوں، تم اس

لیے آئے کہ جو خدا کا نام نہیں جانتے خدا کے آستانے پر ان کے سر جھکیں اور ان کے دل اللہ کی یاد سے اور اللہ کی معرفت سے روشن ہوں اور ان کے دماغ انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے علوم سے منور ہوں، تم اس لیے یہاں آئے تھے کہ ان غریبوں کو یہاں کی بہار اور رونقوں سے نکال کر جنت کی بہاروں، جنت کی رونقوں اور جنت کی نعمتوں کا مستحق بناؤ، بجائے اس کے کہ تم انہیں فائدہ پہونچاتے، تم ان سے فائدہ اٹھانے لگے بجائے اس کے کہ تم ان کی جھولی بھرو تم ان کی جھولی سے اپنی جھولی اور جیب بھرنے لگے تم نے ان کو گاہک بنالیا حالانکہ تم ان کے مبلغ اور گاہک بنا کر بھیجے گئے تھے جو شخص استاد بنا کر کے بھیجا گیا مدرسے میں رکھا گیا کہ وہ پڑھائے مدرس رہے وہ اپنے طالب علموں کو گاہک سمجھ لے اور کہے کہ ہمارے لیے کیا لائے ہو، ہمیں کیا دیتے ہو ہمیشہ اس کی نظر ان کی جیبوں پر رہے کہ ان میں کیا ہے ان کے ماں باپ کی جیبوں میں کیا ہے کہ ہم نکال لیں کتنی پستی ہے انسانیت کی اور کتنی تذلیل ہے!! تم یہاں ان کو گاہک سمجھنے کے لیے نہیں آئے تھے ان کو دینے کے لیے آئے تھے تم یہاں ان کو ہدایت کا تحفہ دیتے، نبوت کے علوم عطا کرتے اللہ تعالیٰ کا راستہ بتاتے اور ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے کھلوانے کے لیے آئے تھے تم یہاں اپنے دھندوں میں پڑ گئے، تجارت میں پڑ گئے تمہیں تجارت سے فرصت نہیں اپنے مکانوں اور کوٹھیوں کے بنانے سے فرصت نہیں اپنے کاروبار کے بڑھانے سے فرصت نہیں اللہ تعالیٰ نے تم کو اس لیے تو نہیں بھیجا تھا اس سے بڑی کوئی کمائی ہو سکتی ہے۔

سب سے بڑا ساہوکار

میرے دوستو! سچ بتاؤ، اگر ایک گھوڑا تم کو مل جائے تم کتنے خوش ہوتے ہو، ایک موٹر تم کو مل جائے کتنے خوش ہوتے ہو حالانکہ ٹوٹ پھوٹ جائے گی، پرانی ہوجائے گی بے کار ہوجائے گا انسان جس کو ملے اور ایک انسان نہیں ہزاروں آدمی جس کو ملیں اور اس کے نامہ اعمال میں لکھے جائیں، ان کی ساری نیکیاں عبادتیں لکھی جائیں ان سے بڑھ کر خوش نصیب کون ہوسکتا ہے؟ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کی تجارت کامیاب رہی یا یہ کہ اس زمانے کا جو سب سے بڑا ساہوکار تھا، چاہے مسلمان رہا ہو وہ اپنی تجارت میں زیادہ کامیاب رہا، سچ سچ بتاؤ انصاف سے بتاؤ اجمیر میں اس وقت کتنے مسلمان دکاندار رہے ہوں گے؟ ہندو دکاندار رہے ہوں گے؟ دہلی میں ہوں گے غزنی میں ہوں گا اور کابل میں ہوں گے بغداد اور قاہرہ میں رہے ہوں گے وہ بڑے بڑے تاجر اپنی تجارت میں کامیاب رہے یا خواجہ معین الدین اجمیریؒ جن کے نامۂ اعمال میں کروڑوں مسلمان لکھے ہوئے ہیں، ان کے نامۂ اعمال میں ان سب کی نمازیں لکھی ہوئی ہیں، سب تسبیحیں لکھی ہوئی ہیں اور اولیاء اللہ کی ولایت لکھی ہوئی ہے جو ان کے بعد ان کی محنتوں کے نتیجے میں پیدا ہوئے ان کی تربیت اور تعلیم و تبلیغ کے نتیجہ میں جو اولیاء اللہ پیدا ہوئے ان کی ساری ولایت ان کی ساری معرفت، ان کی ساری عبادت ان کا سارا ذکر ان کی تسبیح، ان کا راتوں کو اٹھنا ان کا دنوں کو روزہ رکھنا، ان کا قرآن شریف کا پڑھنا ان کا نوافل کا

پڑھنا، ان کا صدقات، خیرات کرنا، ان کا سحر کے وقت اٹھ کر کے اپنے منھ کو آنسوؤں سے دھونا اور آنسو بہانا، یہ سب کچھ خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے حصے میں ہے اور ان کے نامۂ اعمال میں مسلسل لکھا جارہا ہے، بتاؤ کوئی اس سے بڑھ کر کامیاب اور اس سے بڑھ کر کوئی نفع کی تجارت ہے، کوئی بتا سکتے ہو؟

دوہری ذمہ داری

اللہ کے بندو! مسلمانو! تم کو اس ملک میں رکھا گیا ہے، تمہاری دوہری ذمہ داری ہے، جو بدقسمت خدانخواستہ مرتد ہوگا اس کا سوال پوری قوم پر ہے اور وہاں ہرگز یہ سوال نہیں آئے گا کہ تم نے مسجد بنائی تھی یا نہیں، یاد رکھنا، مسجد بنانا بڑے ثواب کا کام ہے مگر ایک مسلمان بھی اس ملک میں مرتد ہوگیا اگر ایک مسلمان کا بھی اگر عقیدہ خراب ہوگیا اور اس کا دین وایمان جاتا رہا اس کا سوال آپ سے ہوگا ہرگز یہ بات کام نہیں آئے گی کہ ہم اپنے دینی کاموں میں حصہ لیتے تھے اور ہم اتنی نمازیں پڑھتے تھے اور ہم فلاں فلاں مجلسیں کرتے تھے اور فلاں فلاں جلسے کرتے تھے، اور اسلام کی فلاں فلاں رسمیں ادا کرتے تھے ہرگز یہ جواب نہیں سنا جائے گا، پوری قوم سے اس کا سوال ہوگا جو میں نے ابھی بتلایا تھا اور اسی طرح سے یہ جو غیر مسلموں کی اتنی بڑی قوم جو آپ کے چاروں طرف رہتی ہے اس کا سوال بھی اگر اللہ آپ سے کرے تو کچھ بعید نہیں وہ فرما سکتے ہیں کہ ہم نے تم کو موقع دیا تھا اور تم ان سب کو مسلمان کر سکتے تھے، ایک ایک آدمی ایک ایک ملک میں چلا جاتا، وہاں کی اکثریت ایمان لے آتی، تم نے کیا کیا؟

فاتح کشمیر حضرت سید علی ہمدانیؒ

دوستو! ایک ایک آدمی ایک ایک ملک میں چلا جاتا تھا وہ ملک کے ملک کو مسلمان کر لیا کرتا تھا، حضرت سید علی ہمدانیؒ نے کشمیر کے تین دورے کیے ہیں ایک مرتبہ آئے اور ایک جگہ اور ایک شہر میں ٹھہر کر چلے گئے دوسری مرتبہ آئے گاؤں، گاؤں شہر شہر کا دورہ کیا تیسری مرتبہ آئے اور گھر گھر کا دورہ کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ آج اس زمانے میں بھی کشمیر میں نوے فیصدی مسلمانوں کی تعداد ہے یہ ایک شخص سید علی ہمدانیؒ کی کرامت ہے ان کی محنت ہے کہ سارے کا سارا علاقہ مسلمان ہو گیا، اور اب اتنے بہت سے علماء ہیں مدرسے ہیں، ایسے پڑھے لکھے لوگ ہیں اور اس میں دولت والے لوگ ہیں لیکن تعداد جو دس برس پہلے تھی وہی تعداد آج غیر مسلموں کی ہے اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ شاید اس سے بڑھے اور مسلمانوں کی خدانخواستہ تعداد گھٹ جائے۔

ہدایت و تبلیغ کے کام سے کوئی دور خالی نہیں رہا

میں نے جو آپ کے سامنے آیت پڑھی:

"ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ".

یہ پوری تاریخ ہمارے اسلام کی کھلی ہوئی کتاب ہے، ہر وقت ہر دور میں، ہر نسل میں اللہ کے بندے دنیا میں ایسے تھے جنہوں نے تبلیغ اور ہدایت کا

کام کیا۔ اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے تم کو ان کا جانشین بنایا ہے اب ان کی جگہ پر تم ہو، اب ہم دیکھتے ہیں کہ تم کیا کر کے دکھاتے ہو تمہارے اسلاف نے تو یہ کر کے دکھایا کہ اٹھارہ آدمی شروع میں آئے ہوں گے ان کی محنت اور خلوص کا نتیجہ ہے کہ آج اٹھارہ لاکھ بیس لاکھ مسلمان ہیں، اب یہ بیس لاکھ مسلمان کیا کرتے ہیں کیا ان بیس لاکھ مسلمانوں میں سے چند سو بھی ایسے نہیں ہیں کہ جن کی محنت سے چند سو مسلمان ہو جائیں یا انہی مسلمانوں کا ایمان محفوظ ہو جائے۔

دوستو! یہ رغبت اور آگے بڑھنے کا میدان ہے۔

"وَفِي ذَالِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ". (۱) اس میدان میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے تم تجارت میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ گئے، پیسوں میں آگے بڑھ گئے تیر مارا تم نے وہ لکھ پتی تھا تم کروڑ پتی بن گئے نہ وہ اپنا سرمایہ قبر میں لے جائے گا نہ تم لے جاؤ گے وہ بھی خالی ہاتھ جائے گا تم بھی خالی ہاتھ جاؤ گے، لیکن کروڑ پتی کو زیادہ صدمہ ہوگا زیادہ حسرت ہوگی، لکھ پتی کو کم ہوگا اور جو ہزاروں کا مالک ہوگا اس کو اس سے کم ہوگا اور سینکڑوں کا جو مالک ہوگا اس کو اس سے کم ہوگا اور جو بے چارہ خالی ہاتھ ہوگا اس کو تو کوئی افسوس نہ ہوگا، اس لیے میں کہتا ہوں کہ لاکھ سے جو کروڑ بنا رہے ہو وہ حسرت ہی تو بڑھا رہے ہو اور کیا کر رہے ہو، حسرت کا سامان کر رہے ہو لیکن اگر تم نے اپنے نامۂ اعمال میں اسلام کی ترقی لکھوائی اور تمہارے حصہ میں کچھ مسلمان آگئے، اور اس ملک میں دین پھیلا تو پھر ان شاء اللہ تعالیٰ تمہارے لیے یہ ایسا انعام ہے کہ یہ دنیا تو اس کی

---

(۱) سورۃ المطففین: ۲۶

گنجائش ہی نہیں رکھتی یہ تو اس عالم ہی میں دیا جاسکتا ہے۔

جس کے ثواب کا کوئی ٹھکانہ نہیں

جس وقت حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کو حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کو(۱) جب ان کی محنتوں کا اجر وثواب اور ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو دین کی دولت عطا فرمائی جب ان کے اعمال کا ثواب ملنے لگے گا تو دوستو! وہ وقت تماشہ دیکھنے کا ہوگا، اور وہ وقت واقعی تماشہ دیکھنے کا ہوگا جب خواجہ اجمیریؒ کو ان کی نیکیوں کا ثواب ملنے لگے گا جو ان کی محنت اور ان کی دعوت کی وجہ سے لوگوں کو توفیق ہوئی، یعنی جب لاکھوں آدمیوں کی نماز کا ثواب حضرت خواجہ معین الدین اجمیری چشتی کے ترازو میں رکھا جائے گا تو سب حیرت زدہ رہ جائیں گے، میں سمجھتا ہوں کہ فرشتے بھی محو تماشا ہوں گے اور سارا قیامت کا منظر دیکھ رہا ہوگا، لوگ دیکھ رہے ہوں گے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں کیسے کیسے ہادی پیدا ہوئے ہیں کہ جن کے ثواب کا کوئی ٹھکانہ نہیں، اسی طرح اوروں کا حال ہوگا، مگر ہمارا کیا ہوگا، جب پوچھا جائے گا کہ ہم نے ان کو دعوت وتبلیغ کا اتنا بڑا میدان دیا تھا اور اللہ کے ان بندوں نے کچھ نہیں

---

(۱) اگر صرف ہندوستانی شخصیات ہی کو لیا جائے تو اس کی مختصر سی مختصر فہرست میں حضرت مجدد الف ثانی امام احمد سرہندیؒ (م ۱۰۳۴ھ) اور حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ) اور امیر المومنین حضرت سید احمد شہید (ش ۱۲۴۶ھ) رحمہم اللہ کے نام ضرور لیے جائیں گے، اور حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ نے ان میں ہر شخصیت پر مستقل کتاب تصنیف فرمائی ہے، تاریخ دعوت وعزیمت حصہ چہارم و پنجم اول الذکر دونوں شخصیات سے متعلق مبسوط تذکرہ ہے اور دو جلدوں میں "سیرت سید احمد شہیدؒ" مطبوع ہے۔

کیا۔ کہیں ہم مجرموں کے کٹھرے میں نہ کھڑے کردیئے جائیں۔

مسلمانوں کی حفاظت کا واحد ذریعہ دین کے لیے جدوجہد

میرے دوستو! یہ دنیا فانی ہے اس زندگی کی ہر چیز فانی ہے دولت فانی، عزت فانی، حکومت فانی، اہل حکومت سن لیں یہ حکومتیں ان کی جانے والی ہیں، دولت والے سن لیں کہ دولت ان سے بے وفائی کرنے والی ہے، صحت والے سن لیں کہ یہ صحت ان سے منہ چرانے والی ہے، جو چیز باقی رہے گی، وہ صرف اللہ کا نام ہے اور اللہ کے راستے میں محنتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے جانفشانی، کوشش اور جدوجہد ہے، بڑا غنیمت وقت ہے جو گزر رہا ہے اس میں اگر تم نے اپنے کاروبار سے وقت نکال کر کے ہدایت وتبلیغ کا اپنے اندر طریقہ پیدا کیا اور پھر اس کے لیے کوشش کرلی تو اللہ تبارک وتعالیٰ تمہارے انعام میں دنیا میں تم کو بہت دے دے گا، اور آخرت میں تم کو جنت عطا فرمائے گا اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو یاد رکھو تم اس ملک میں رہ نہیں سکتے، یہ میں آج سیاسی آدمی کی حیثیت سے نہیں بلکہ اس روشنی میں جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر مسلمان کو عطا فرمائی ہے، اس روشنی میں یہ کہہ رہا ہوں کہ اس ملک میں تمہارا رہنا مشکل ہوجائے گا اگر تم نے دین کے لیے خلوص کے ساتھ کام نہ کیا اور جب وہ حالت پیدا ہوگی تو اس وقت نہ تمہاری دکانیں محفوظ رہیں گی، نہ تمہارے کارخانے محفوظ رہیں گے یاد رکھو حفاظت کا سامان اوپر سے ہوتا ہے کسی ملک میں مسلمانوں کی حفاظت کا سامان اوپر سے ہوتا ہے کسی ملک میں مسلمانوں کی حفاظت کا ذریعہ صرف یہ ہے کہ وہ

دین کے لیے جدوجہد کرلے اور دین کو اتنا طاقت ور بنائے کہ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اس قول کی حفاظت اپنی طرف سے فرمائے ان کی نصرت خدا کی طرف سے ہوتی ہے، پھر ان کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

شرک سے نفرت اور کفر سے وحشت سبھی کے دل میں بٹھاؤ!

یہاں ہم آپ کے ملک برما میں جو چند دن سے آئے ہوئے ہیں تم نے محسوس کیا کہ یہاں سب سے بڑی عقلمندی کی بات اور سب سے زیادہ ضروری اور پہلا کام جو وقت کا فریضہ ہے، وہ یہ ہے کہ یہاں دین کے لیے محنت کرلو۔ سب سے بڑی یہاں کی سیاست یہی ہے سب سے بڑی یہاں کی نفع کی تجارت یہی ہے، سب سے بڑی یہاں کی حکمت یہی ہے، معرفت یہی ہے کہ اس ملک میں ایک مرتبہ کچھ طے کرلو کہ دس بیس برس اسلام کو پھیلانا ہے اور یہاں مسلمانوں کے عقیدے اور اسلام کی حفاظت کرنی ہے اگر آپ کا یہ برما بدھسٹ اسٹیٹ بن گیا تو تمہاری ذمہ داریاں کتنی بڑھ جاتی ہیں، ابھی تک شکر ہے کہ بدھسٹ اسٹیٹ نہیں ہے سیکولر (Secular) ہے، لیکن اگر خدانخواستہ بدھسٹ اسٹیٹ ہوگیا(۱)، پھر اگر تم نے اپنے دین کی فکر خود نہ کی اور تم نے اپنے ایمان کو قائم رکھنے کا ارادہ اور فیصلہ نہ کیا اور یہ حالات آئے تو تمہاری کوئی مدد نہیں

(۱) حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات جو انہوں نے اپنی ایمانی فراست اور داعیانہ بصیرت سے محسوس کر کے اندیشہ کے طور پر کہی تھی حرف بحرف پوری ہوئی، مسلمانان برما آج بھی اس بات کو یاد کرتے ہیں اور اپنے کو ملامت کرتے ہیں، اللہ انہیں تلافی مافات کی توفیق دے اور کوئی بڑا خیر وجود میں آجائے۔ اللہ کے لیے کچھ مشکل نہیں۔ (مرتب)

کرے گا اور تم کہیں کے نہ رہو گے، ابھی تو خیر حکومت غیر جانبدار ہے، غیر متعلق ہے وہ نہ تو حکومت کی طرف سے بدھسٹ ہے نہ کرسچین ہے نہ مسلمان ہے، ورنہ اگر بدھشٹ ہو جائے گی تو پھر دین کی حفاظت، اشاعت اور علم کی کوشش یہ سب تمہارے ذمہ ہے تمہارے اوپر فرض اس کا عائد ہوتا ہے تمہارے علاوہ کسی پر اس کا فرض عائد نہیں ہوتا ہے، وقت کا فریضہ ہے اگر اللہ نے تمہیں سمجھ دی ہے اور موٹی سمجھ بھی تم رکھتے ہو تو آنکھ کھول کر کے اور ذرا سا غور کر کے اس بات کو سمجھ لو کہ اس ملک میں تمہارا رہنا اسلام کے بغیر ممکن نہیں اس وقت سب سے بڑی عقلمندی اور سب سے بڑی اپنے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ اسلام کے لیے اسلام کو چمکانے کے لیے اسلام کو پھیلانے کے لیے مسلمانوں کو اپنے دین میں مضبوط کرنے کے لیے اور ان کو سچا اور پکا مسلمان بنانے کے لیے ایک مرتبہ اس کا بیڑہ اٹھاؤ اور ایک بار دیوانہ وار اس کام میں لگ جاؤ اور اپنے آپ کو جھونک دو کہ یہاں کا ہر کلمہ گو مسلمان پکا اور سچا مسلمان ہو جائے کہ بڑے سے بڑا زلزلہ اور بڑے سے بڑا طوفان اور بڑے سے بڑا بھونچال اس کو اپنی جگہ سے نہ ہلا سکے اس کے لیے کوشش کرو اور سارے ملک میں پھیل جاؤ گاؤں گاؤں پھیل جاؤ اور اللہ کا پیغام پہنچاؤ، خوب کلمے کا اعلان کرو خوب تعلیم کا اعلان کرو، خوب اسلامی تہذیب کو کھل کر بیان کرو کہ اسلامی تہذیب اختیار کرنی چاہیے اسلامی نام رکھنے چاہئیں۔ شرک اور مشرکانہ رسموں سے ان کو ڈراؤ اور ان سے کہو کہ اس میں مسلمانوں کی موت ہے کہ وہ شرک اختیار کریں اور کسی مشرکانہ تقریب میں اور کسی مشرکانہ رسم میں کسی مشرکانہ عمل میں شرکت کریں یہ ہر مسلمان کی موت ہے یہ ایسا

ہے جیسے کوئی زہر کا پیالہ پی لے بلکہ اس سے زیادہ خطرناک بات ہے، شرک کی نفرت ان کے دل میں بٹھا دو بت پرستی کی نفرت ان کے دل میں بٹھا دو، شرک سے وحشت، کفر سے وحشت ان کے دل میں بٹھا دو۔

بہت سخت دن آنے والے ہیں

اگر تم نے اس میں غفلت کی تو یاد رکھو میرے بھائیو! میں شاید اس وقت ہوں تمہیں یاد دلانے والا اور شاید ریکارڈ موجود ہو یا نہ ہو لیکن جو تم میں سے غور سے سنے گا وہ میری باتیں یاد کرے گا میں کوئی صاحب فراست آدمی نہیں ہوں، میں کوئی روشن ضمیر آدمی نہیں ہوں، کوئی بزرگ نہیں ہوں جن کو مثلاً دس برس پہلے اللہ کی طرف سے کوئی بات دکھائی جاتی ہے لیکن یہ بات اتنی موٹی ہے اتنی کھلی ہوئی ہے جیسے کوئی بارش دیکھے، کڑک سنے ہوا ٹھنڈی چلے اور وہ کہے کہ بارش آنے والی ہے اور پانی برسنے والا ہے اور پانی برس جانے تو اس کو کوئی ولی نہیں مانتا یہ تو بچہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ بارش آنے والی ہے، اس طریقے سے میں آپ سے کہتا ہوں کہ بہت سخت دن آنے والے ہیں خدا کے لیے اس وقت اپنے کاروبار کو اتنی اہمیت نہ دو جتنی اہمیت دیتے رہے ہو اس وقت دین کے لیے کچھ کرلو، صور پھونک دو ایمان کا، توحید کا، رسالت کا ایک مرتبہ برما کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک اسلامی تہذیب دینداری اور توحید کا صور پھونک دو ایک ایک مسلمان کو اچھی طرح باخبر کردو ایک ایک کا ہاتھ پکڑ کر کہو کہ یہ دین اور یہ ایمان ہے یہ کفر ہے یہ شرک ہے، شرک کی نفرت مسلمانوں اور ان کے

بچوں کے دل میں بٹھا دو، بچوں کی تعلیم کا انتظام کرواور گاؤں میں ایسے گاؤں میں کہ جس کا نام بھی کبھی نہ سنا ہو، اس کے ایک کنارے پر جھونپڑا ہے کسی بری مسلمان کا جو اردو کا ایک لفظ بھی نہیں جانتا وہاں پر بھی پہنچواس کے جھونپڑے میں جا کر اس کے قدم پکڑلو اور اس سے کہو کہ اللہ کے بندے تو مسلمان ہے مسلمان زندہ رہ اور مسلمان مر۔ اس کو ایسا کر دو کہ ارتداد اس کی طرف رُخ بھی نہ کر سکے جیسے کہ وہ کسی لوہے کے قلعے میں محفوظ ہو جائے اس طرح اسے محفوظ کر دو اس کام کی فرصت ہے۔

حکومتیں اور اقتدار دین کی محنت کی خیرات ہیں

معلوم نہیں کب تک فرصت ہے لیکن ابھی کچھ فرصت ہے اب اگر تم نے اس سے فائدہ اٹھایا اور کچھ کام کر لیا تو انشاء اللہ تعالیٰ، اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس دین کی بقا کی صورت یہاں باقی رہے گی بلکہ ترقی کرنے اور پھیلنے کا فیصلہ ہو جائے گا اور اس وجہ سے وہ تمہارے کاروبار، تمہاری عورتوں تمہارے بچوں کو محفوظ کر دے گا اور تمہیں سرفراز اور سربلند کرے گا، اور تمہیں اس ملک میں عزت دے گا اور کچھ تعجب نہیں کہ تم کو اللہ اس ملک کے انتظام کی ذمہ داری تمہارے ہاتھوں میں سونپ دے، اس لیے کہ یہ حکومتیں اور اقتدار اللہ کے دین کی محنت کی خیرات ہے، اللہ کے دین کی محنت کے قدموں کی خاک ہے دیکھو! اللہ کے بندوں نے کچھ دن محنت کی تھی، بدر و احد کے میدانوں میں اور تبلیغ کے میدانوں میں اس کا کیا نتیجہ ہوا؟ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے جانشینوں

اور اولاد میں ایک شخص پیدا ہوتا ہے جس کا نام ہے ہارون الرشید آپ نے اس کا نام سنا ہوگا بہت مشہور خلیفہ ہے اس کی سلطنت کا حال میں تمہیں بتلاتا ہوں ایک مرتبہ وہ بغداد میں بیٹھا ہوا تھا، بادل کا ایک ٹکڑا اس کے سر کے اوپر سے گزرا وہ کسی طرف جارہا تھا، اس نے سر اُٹھا کر کہا اے بادل چاہے تو مشرق میں جا، چاہے مغرب میں جا، جہاں تیرا جی چاہے وہاں جا، جہاں تیرا جی چاہے برس لیکن تیرے برسنے کا جو نتیجہ ہے یعنی کھیتی اور دانہ وہ تو میرے قدموں ہی میں آئے گا "سیاتی خراجک" یہ لفظ تھے جو اس کی زبان سے نکلے، جہاں تیرے جی میں آئے وہاں جا کر برس جا میں تجھ سے نہیں کہتا کہ تو بغداد ہی میں برس جہاں تیری پہنچ ہے تو وہاں چلا جا اور وہاں جا کر برس، مگر تیرے برسنے سے جو کھیتی پیدا ہوگی وہ یہیں آئے گی یہ اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے محنت کرنے کا ایک بہت ہی معمولی اور بہت حقیر سا فائدہ اور اس کا پھل ہے، حقیقی فائدہ نہیں، حقیقی فائدہ تو وہیں (آخرت میں) جا کر ملے گا۔

ایک اور بات مثال کے طور پر عرض کرتا ہوں یوں سمجھ لیجئے کہ جیسے زمین جوتی جاتی ہے کھیتی کی جاتی ہے گیہوں کے لیے مگر گندم سے پہلے کچھ گھاس اُگ آتی ہے وہ گھاس گھوڑے اور جانوروں کے کام آتی ہے ایسے ہی یہ جو دین کے لیے محنتیں کی گئیں قربانیاں دی گئیں اس کی گھاس تھیں جو بنو عباس بنوامیہ کی حکومتیں ان کی فتوحات نظر آتی ہیں، (میں خلافت راشدہ کو نہیں کہہ رہا ہوں اس کا استثناء ہے) اور ساری دنیا میں جو ان کا ڈنکا بج رہا تھا، وہ اس کھیتی کی گھاس تھی، دنیا میں اس مقصد کے لیے کام نہیں کرتا مگر گھاس کو کوئی جلاتا بھی نہیں وہ مویشیوں

کے کام آتی ہے اسی طریقے سے سمجھیے کہ ان حضرات نے ہدایت کے لیے محنت کی تھی، گھاس اور خس وخاشاک کے طور پر پیدا ہو گئیں تھیں حکومتیں۔

ہدایت وتبلیغ کے لیے پھیل جاؤ!

دوستو! امت محمدیہ میں تم نے محنت کر لی کاش کہ امت کے ہر فرد میں یہ آواز پہنچے اور ہر آدمی کی زبان سے تم یہی پیغام سنتے اس وقت کرنے کا کام یہی ہے میں تم سے سچ کہتا ہوں اگر میرے بس میں ہوتا میں کوئی بڑی بات نہیں کہہ رہا اگر میرے بس میں ہوتا تو میں چند مہینوں کے لیے نہیں دو چار سال کے لیے تمہاری ساری دکانوں کو تالا لگا دیتا (۱)، مقفل کر دیتا اور سارے ملوں کارخانوں کو بند کر دیتا اور سارے آدمیوں کو مکانوں، دکانوں اور کارخانوں سے نکال کر کہتا اس وقت کام صرف یہ ہے کہ ہدایت اور تبلیغ کے لیے پھیل جاؤ ملک بھر میں، گھر کی پرواہ نہ کرو، کھانے کو راشن ملے گا کھالینا، پیٹ بھر لینا اور پہننے کے لیے اتنے جوڑے کپڑے ملیں گے پہن لینا اور اگر کپڑے پھٹ جائیں تو پیوند لگا لینا اور اگر کھانا پورا نہ ہو تو فاقے کر لینا مگر دس برس تک صرف تبلیغ کا کام کرنا پھر دیکھنا کہ کیسے کام ہوتا ہے۔

ایمان کی ٹرالی کو آگے بڑھاؤ!

تم نے دیکھا ہوگا ریل کی پٹری پر ایک ٹرالی چلتی ہے لائن کی جانچ لینے

---

(۱) اسی وجہ سے آج بھی حضرت علیہ الرحمہ کی اس تقریر کو "تالوں والی تقریر" کے نام سے اہل دل یاد کرتے ہیں اور یاد کیا کرتے ہیں کہ آج بھی ان کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔

اور پٹری دیکھنے کے لیے کہ وہ ٹھیک ہے یا نہیں اب تو خیر بجلی کی بھی چلنے لگی ہے
ابھی ہمارے یہاں انڈیا میں وہی پرانی ٹرالی چلتی ہے کہ اس میں کچھ دیکھ بھال
کرنے والے آفیسرز اور قلی بیٹھے ہوتے ہیں تو قلی اتر کر اس کو دھکا دیتے
ہیں، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے دھکا دیتے ہیں ایک دو فرلانگ تک
چلے جاتے ہیں پھر اس پر سوار ہو جاتے ہیں پھر وہ ٹرالی ان کو لے جاتی ہے، پہلے
وہ ٹرالی کو لے جاتے ہیں اس سے دس گنا ٹرالی پھر ان کو لے جاتی ہے ایسے ہی
ایمان کی ٹرالی کو ایک مرتبہ دھکا دے دو پھر ایمان کی ٹرالی سو برس تک خود لے
جائے گی صحابہ کرامؓ نے ایسا دھکا دیا تھا کہ اب تک ٹرالی کے پہیوں میں جان ہے
رُکے اب بھی نہیں ہیں رفتار ذرا سست ہو گئی ہے اس لیے سست ہو گئی ہے کہ تم
نے حکومتوں کا بوجھ ڈال دیا اپنے گناہوں کا بوجھ اس پر ڈال دیا گناہوں کا بوجھ
اگر اس پر نہ پڑتا تو اس کی رفتار میں انشاء اللہ کمی نہ ہوتی ایسے ہی اسلام میں ترقی
ہوتی چلی جاتی صحابہ کرامؓ کے ایسے بابرکت، ایسے طاقتور اور ایسے مخلص ہاتھ تھے
اللہ تعالیٰ کی کروڑوں رحمتیں ان پر ہوں جنہوں نے نہ اپنے اولاد کی پرواہ کی، نہ
ماں کی پرواہ کی، نہ دکانوں کی پرواہ کی اور ایک مرتبہ مل کر اسلام کی ٹرالی کو ایسا دھکا
دیا ہے کہ صرف ۲۳؍ برس تک دھکا دینا پڑا تھا، تیئس برس کے بدلے میں
۱۳۰۰؍ برس تو اس وقت ہو چکے ہیں اور جہاں جہاں ان کے قدم گئے آج تک
اسلام وہاں غالب ہے جہاں صحابۂ کرامؓ کے بابرکت قدم پہنچے وہاں کی تو فضا
بدل گئی، ہوا بدل گئی، موسم بدل گیا، تہذیب بدل گئی سب زمین و آسمان بدل
گئے، زبان بدل گئی، آج تک وہاں کی زبان عربی ہے، میرے دوستو! کیا یہ

عقلمندی کی بات نہیں کہ ٹرالی کو مل کر دھکا دے دو ذرا سا دھکا دے دو، خدا کی راہ میں سب مل کر یہ کام کر گزرو، ذرا ہاتھ لگا دو تھوڑا سا اتر کر دھکا دیدو، گاؤں میں سب مل کر چھپر اٹھا لیتے ہیں تھوڑا سا تو کر گزرو، انگلی کے اشارے پر چلنے کے لیے تیار ہے مگر تم تیار نہیں، یہ کتنے ظلم کی اور شرم کی بات ہے کہ اس پر بھی تم بیٹھے رہو اور تم سے اتنا نہ ہو سکے کہ تھوڑا سا اتر کر اس کو دھکا دے کر کے آگے چلا دو۔

دوستو! بس اتنی ہی سی بات ہے کوئی تم سے نہیں کہتا کہ عمر بھر پھرتے ہی رہنا، یہ تبلیغ والے بھی تم سے چلہ ہی تو مانگتے ہیں، عمر بھر کے لیے تو یہ بھی نہیں کہتے، ہاں یہ کہتے ہیں کہ یہ ضرور کرو کہ اپنی ٹرالی کو کچھ دور تک دھکا دے دو، پھر تم کو خود بجلی ملتی چلی جائے گی اور ہوا کی طرح چلے گی، بس تھوڑا سا دھکا دینے کی ضرورت ہے، پھر شوق سے اس پر بیٹھو تم کو خود ہی یہ لیے چلی جائے گی، ہوا کی طرح لے جائیگی، انشاء اللہ۔

اپنے وقت کا نکالنا فرض سمجھو!

بس تم سے یہی کہنا ہے اور کچھ نہیں کہنا، تمہارے ملک کا بہت ہی نازک مسئلہ ہے، اس وقت اگر سمجھو تو کوئی مسئلہ نہیں سارے اختلافات ختم کردو، جتنی جماعتیں ہیں ان سب کا اس وقت اختلاف کرنا حرام ہے ذرا تجارت پر بریک لگاؤ اس انہماک پر بریک لگاؤ جو تمہارا معاش کا انہماک ہے، اور اس پر کنٹرول قائم کرو اور وقت نکالو اور اپنے وقت کا نکالنا فرض سمجھو، اگر چلّے مانگے جائیں چلے دو، ہفتے مانگے جائیں ہفتے دو اگر دن مانگے جائیں دن دو، اور ہر شخص یہ طے

کر لے کہ میں اس ملک کا رہنے والا نہیں ہوں اور برما کونسا بڑا ملک ہے؟ میرے خیال میں یہ ہندوستان کا دسواں حصہ ہے، تم اگر چاہو تو اس طرح پھیل جاؤ، اس طرح پھیل جاؤ کہ کوئی گاؤں، کوئی گھر تم سے نہ بچے، طے کرلو کہ دس برس کے اندر ایک گھر ایک جھونپڑا بھی چھوڑنا نہیں ہے، ہر جگہ تم پہنچ جاؤ کوئی جگہ باقی نہ بچے، اراکان کے آخری حدود تک، مشرقی پاکستان (۱) کے حدود تک، اور آسام کے حدود تک اور یہاں کلکتہ کے سمندر کا جو حدود ہے وہاں تک کوئی جگہ نہ بچے جگہ جگہ اسلام کی آواز اور پیغام پہنچاؤ، تمام مسلمانوں میں توحید اور اسلام کی تہذیب پھیلاؤ، ہر جگہ جا کر مسلمان کو پختہ کرو اور غیر مسلم کو نرم کرو، مسلمان موم ہے اس کو تو پختہ کرو اور غیر مسلم لوہا ہے اس کو موم بنا دو۔

کرنے کے دو کام

آج مسلمان موم ہو رہا ہے موم کی ناک کی طرح ہر طرف مڑنے اور جھکنے کے لیے تیار ہے اس کو تو بنا دو فولاد، اور غیر مسلم جس کا دل لوہے اور پتھر کی طرح ہو رہا ہے اس کو نرم کردو، بس اگر یہ دو کام کرلو کہ مسلمان ہو جائے فولاد اور غیر مسلم ہو جائے موم، اور جب وہ اسلام قبول کرے اس کو بھی فولاد بنا دو، اب فولادی فولاد ہو اور جہاں فولادی فولاد ہو کس کی مجال ہے کہ اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ سکے فولادی کی آج ساری دنیا میں حکومت ہے، یہ لوہے اور فولاد کا زمانہ کہا جاتا ہے تم مسلمانوں کو فولاد بناؤ، فولاد بننے کے لیے پہلے اس کو تپایا جاتا

(۱) مشرقی پاکستان یعنی بنگلہ دیش جو اس وقت پاکستان کا ہی ایک حصہ تھا، ۱۹۷۱ء میں مستقل ملک کی حیثیت اختیار کر گیا۔ (مرتب)

ہے، نرم کیا جاتا ہے، پہلے غیر مسلم کو اتنا تپاؤ ایمان کی حرارت میں اس کو اتنا پگھلاؤ کہ وہ نرم پڑ جائے اور اسلام قبول کر کے کفر کو چھوڑ دے اور پھر اس کو اسلام میں مضبوط کرو کہ وہ فولاد بن جائے۔

دوستو! بس کرنے کے یہ دو کام ہیں، تیسرا کام ہماری سمجھ میں اس ملک میں نہیں آیا، اگر کوئی سمجھا دے تو ہم سمجھنے کے لیے تیار ہیں، مسلمانوں کو اسلام پر پختہ کرنا غیر مسلم کو اسلام کی طرف مائل کرنا دو ہی کام ہیں۔ تیسرا کام نہیں ہے یہ کام اگر تم نے کر لیا تو اپنے اوپر احسان کرو گے کسی دوسرے پر یا اسلام پر احسان نہیں۔

اسپین کے مسلمانوں کی غلطی نہ دہرائی جائے

اسپین والوں نے کام نہیں کیا تو کان پکڑ کر نکال دیے گئے، چچا بھتیجے میں لڑائی ملک کے دونوں دعویدار ہوئے، عیش میں پڑ گئے، مکانات بنانے لگے، مسجد میں ایک سے ایک بہتر، الحمرا کا قلعہ تعمیر کر دیا، مدینۃ الزہراء کے نام سے ایک پورا شہر تعمیر کر دیا جس کو دیکھ کر آج بھی دنیا کے سیاح دنگ رہ جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ چیزیں زندگی کی ضمانت نہیں، اسلام کی تبلیغ کی کوئی کوشش نہیں کی، مورخ لکھتا ہے کہ اندلس میں اسلام کے زوال کے اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ تبلیغ کی طرف سے بالکل غافل ہو گئے تھے وہ یہ بات بھول گئے تھے کہ غیر مسلموں کی اکثریت والے ملک میں رہتے ہیں جس میں چاروں طرف غیر مسلم عیسائی پھیلے ہوئے ہیں اور وہ بتیس دانتوں میں ایک زبان ہیں ان کا تو کام یہ تھا کہ وہ اسلام کو پھیلاتے اور ایسے حالات پیدا کر دیتے کہ کبھی وہاں

سے اسلام کے نکلنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا کیا مصر سے اسلام کے نکلنے کا سوال پیدا ہوسکتا ہے وہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے، سوڈان سے مسلمانوں کے نکلنے کا سوال پیدا ہوسکتا ہے، ترکی سے اسلام کے نکلنے کا سوال پیدا ہوسکتا ہے، سوفیصدی اکثریت ہے لیکن اسپین سے نکلنا پڑا کہ چاروں طرف عیسائی دنیا تھی اور اللہ کے ان بندوں نے ان کو مسلمان بنانے کی کوئی فکر نہیں کی تھی اور اپنے ایمان میں کمزور ہوتے چلے گئے عیش نے ان کو روز بروز کمزور کر دیا خود کمزور ہو گئے اور چاروں طرف سے کوئی خبر نہیں لی، نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کا وعدہ پورا ہوا اور وہ وقت آیا حکم ہوا کہ یہاں سے نکل جاؤ، ہمیں نہ تمہاری مسجدوں کی پرواہ ہے نہ تمہارے قصر حمراء کی پرواہ ہے نہ تمہارے مدینۃ الزہراء کی پرواہ ہے نہ قرطبہ کی پرواہ ہے، نہ غرناطہ کی پرواہ ہے نہ بلنسیا کی پرواہ ہے، نہ مرسیہ کی پرواہ ہے نہ شاطبہ کی پرواہ ہے، یہاں کیسے کیسے قاری، کیسے کیسے عالم کیسے کیسے حافظ، کیسے کیسے ولی اللہ اور کیسے کیسے محاسب امام اور مجتہد پیدا ہوئے ہمیں کسی کی پرواہ نہیں جو زندگی کا قانون ہے تم نے وہ تو کیا ہی نہیں جب یہ نہیں کیا تو:۔

"إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ"۔(۱) اللہ کسی کو نعمت دے کر چھینتے نہیں جب تک وہ اپنے کو خود ہی نعمت سے محروم نہ کر لے۔

مقصد حکومت نہ ہو ہدایت ہو

بس میرے دوستو! اس کا مطالبہ ہے ایسا کرو تو یہ کاروبار یہ سارے کام کاج

---

(۱) سورۃ الرعد:۱۱

رہیں گے دکانیں رہیں گی مکان رہیں گے کارخانے رہیں گے، نوکریاں رہیں گی حکومت کی کرسیاں رہیں گی سب کچھ رہے گا کوئی چیز جاتی نہیں ہے اطمینان رکھو بس تھوڑے دن محنت کرلو اور وقت نکالو اور یہاں اسلام کی جڑ مضبوط کرلو اور یہاں اسلام کا دائرہ وسیع کرلو پھر تو یہ ملک تمہارا ملک ہے انشاء اللہ کوئی ڈرنے کی بات نہیں میں صاف یہ تم سے کہتا ہوں یہ تمہارا ملک ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

"وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ م بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ٥ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ"۔(۱) ہم نے زبور کے آسمانی نوشتے میں لکھ دیا ہے اللہ تعالیٰ اس کا وارث بناتا ہے اپنے نیک بندوں کو اور جس میں اعلان ہے اور صلائے عام ہے پیام ہے عبادت کرنے والوں پر پرہیزگاروں کے لیے اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ ان کے لیے خوشخبری ہے وہ اس کے لیے کوشش کریں کوئی بڑی بات نہیں، لیکن راستہ اس کا یہ ہے کہ مقصد حکومت نہ ہو، ہدایت کے لیے کوشش کرو اس کھیت کے ساتھ گھاس بھی پیدا ہو جائے گی۔

صحیح سمجھ

بس میرے دوستو! میں اتنا ہی کہہ سکتا ہوں اگر اور اللہ کو منظور ہوا تو اس کے بعد بھی موقع آئے گا، بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کسی قوم پر جب فضل فرمانا چاہتا ہے تو اسے صحیح سمجھ عطا کر دیتا ہے(۲) وہ تمام اختلافات کو بھول کر اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر کرنے والا کام کراتا ہے۔ اور جب برے دن

(۱) سورۃ الانبیاء: ۱۰۵، ۱۰۶

(۲) حدیث شریف میں آتا ہے من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین (بخاری)

آتے ہیں اس کی سمجھ ماری جاتی ہے پہلی چیز سلب کی جاتی ہے وہ عقل ہے، وہ بے کار کاموں میں الجھ جاتی ہے کرنے والا کام کرتی نہیں اگر اللہ تعالیٰ کو بہتری منظور ہے تو انشاء اللہ اس میں اپنا وقت صرف کرلو گے، تھوڑی سی محنت کرلو گے، ٹرالی کو تھوڑا سا دھکا دے دو بس تم اور تمہاری نسلیں بھی آرام کریں گی اور تم کو یہ ٹرالی لیے لیے اڑتی پھرے گی یہ بڑی اہم اور کام کی باتیں تھیں اللہ نے کہلوائیں یوں ضائع نہیں جانی چاہئیں کچھ فیصلے لے کر آپ لوگ یہاں سے اٹھئے، اللہ مدد فرمائے۔

ان تنصروا اللّٰہ ینصرکم ویثبت أقدامکم.

وَصَلَّی اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ أَجْمَعِیْنَ۔

کچھ ضروری مشورے اور تقاضے (۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کا حال ومقام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک روز صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنا ایک خواب سنایا جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثال اور آپ کی امت کی مثال اس طرح دی گئی کہ ایک بادشاہ ہے اس نے قلعہ تعمیر کیا اس میں ایک محل بنایا پھر دسترخوان بچھایا، اس کے بعد لوگوں میں یہ منادی کرادی کہ دسترخوان بچھا ہے، دروازہ کھلا ہے، جس کا جی چاہے آئے، کسی نے دعوت منظور کی، اور کسی نے نہیں منظور کیا، تو یہ بادشاہ اللہ ہے، اور قلعہ اسلام ہے، اور اس کا محل جنت ہے اور آپ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بلانے والے ہیں۔ جس نے دعوت منظور کی وہ اسلام کے قلعہ میں داخل ہوگیا اور جو اسلام میں داخل ہوگیا وہ

---

(۱) مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی نور اللہ مرقدہ کی یہ ایک ولولہ انگیز اور انقلاب انگیز تقریر ہے جو آپ نے برما میں سورتی برادری کے مسلمانوں کے سامنے ایک وصیت و پیغام کے طور پر فرمائی جو دارین کی سرخروئی حاصل کرنے کے لیے تاکیدی حیثیت رکھتی ہے، یہ اب تک تحریری صورت میں منظر عام پر نہیں آسکی تھی، مولانا بلال حسنی ندوی کی توجہ سے یہ کیسٹ حاصل ہوئی اور بعد کوشش کے حاصل ہوئی اس کو نقل کرکے قارئین کے سامنے لائے، اس کا امکان ہے کہ بعض الفاظ ٹھیک طور پر نہ سمجھے جاسکے ہوں یا ضرورت کے پیش نظر کچھ ترمیم کرنی پڑی ہو جو بھی میسر آگیا وہ یقیناً اللہ کا بڑا فضل ہے، والحمد للہ اولاً وآخراً۔ (محمود) جمعہ ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ مطابق ۳۰ مئی ۲۰۰۸ء

جنت میں داخل ہوگیا اور جو جنت میں داخل ہوگیا وہ سب کچھ کھائے گا جو کچھ جنت میں ہوگا، حدیث کے الفاظ ہیں:

"إِنَّمَا مَثَلُكَ وَمَثَلُ أُمَّتِكَ كَمَثَلِ مَلِكٍ اتَّخَذَ دَاراً ثُمَّ بَنَىٰ فِيهَا بَيْتاً ثُمَّ جَعَلَ فِيهَا مَائِدَةً ثُمَّ بَعَثَ رَسُولاً يَدْعُو النَّاسَ إِلَىٰ طَعَامِهِ فَمِنْهُمْ مَنْ أَجَابَ الرَّسُولَ وَمِنْهُمْ مَنْ تَرَكَهُ، فَاللّٰهُ هُوَ الْمَلِكُ وَالدَّارُ الإِسْلَامُ وَالْبَيْتُ الْجَنَّةُ وَأَنْتَ يَا مُحَمَّدُ رَسُولٌ فَمَنْ أَجَابَكَ دَخَلَ الإِسْلَامَ وَمَنْ دَخَلَ الإِسْلَامَ دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ دَخَلَ الْجَنَّةَ أَكَلَ مَافِيهَا". (۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد فرمائیں: کہ ایک شخص نے گھر بنایا پھر وہاں دسترخوان بچھایا، اور منادی کردی، اعلان کردیا کہ دسترخوان بچھا ہے دروازہ کھلا ہے آئے جس کا جی چاہے۔ اور ہمارا آپ کا حال اس طرح ہو کہ ہم یہ سمجھے بیٹھے ہیں جب تک کہ ہزار دانے کی تسبیح نہ پڑھی جائے اور جب تک روز دس پارے نہ پڑھے جائیں اور جب تک کہ آدمی دس حج اور عمرے نہ کرے اس وقت تک نیک، ولی اور اللہ کا مقرب و پسندیدہ بن نہیں سکتا۔

اللہ کی رضا کے دروازے کھلے ہیں

اس لیے پہلی چیز تو یہ کہ کسی کے لیے تخصیص نہیں سب کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی معرفت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں، اور کیوں نہ ہوں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

---

(۱) سنن ترمذی ابواب الامثال باب ماجاء فی مثل اللہ عزوجل لعبادہ، عن جابر بن عبداللہؓ۔

"مَا كَانَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ○ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ○ ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْاَوْفٰى". (۱) انسان کے لیے وہ ہے جو اس کی کوشش کرے اور اس کی کوشش ضرور سامنے آئے گی۔

اور فرماتا ہے:

"مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً". (۲)

جو کوئی بھی نیک عمل کرے گا مرد ہو یا عورت بشرطیکہ ایمان والا ہو تو ہم اس کو بہت اچھی زندگی عطا کریں گے (یعنی اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی)

اور فرماتا ہے:

"فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَا اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ" (۳)

اللہ نے مومنوں کی دعاؤں کا ذکر کیا ہے اور فرماتا ہے کہ اللہ نے ان کی دعائیں قبول کیں، اور اعلان کر دیا کہ میں تم میں سے کسی کے بھی عمل کو ضائع کرنے والا نہیں ہوں، چاہے مرد ہو چاہے عورت، بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ تم سب کا ایک ہی سلسلہ ہے تم سب ایک ہی ہو۔

اب یہ کیسی بات کہ عورت ولی نہیں بن سکتی، رابعہ بصریہ عورت ذات تھیں۔ آج بھی اللہ کے فضل و کرم سے ایسی عورتیں ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے یہاں نہایت مقبول بندیاں ہیں، اور دل ان کی ولایت کی شہادت دینے کے

---

(۱) سورۃ النجم: ۳۹تا۴۱۔ (۲) سورۃ نحل: ۹۷۔ (۳) سورۃ آل عمران: ۱۹۵۔

لیے آمادہ ہوتا ہے اور بڑے بڑے مرد بڑے بڑے عالم ان کی تعظیم کرتے ہیں، اور ان سے دعا کراتے ہیں۔

ایک بات اور ہے اس سے زیادہ کھول کر بیان کرنا مشکل ہے کہ آپ یہ سمجھیں، آپ خواہ کسی طبقہ کے ہوں آپ ترقی کر سکتے ہیں اور اس دولت میں آپ کا حصہ ہے، یہ بڑی محرومی کی بات ہے کہ ہم اپنے کو اس کا اہل نہ سمجھیں۔ اگر ہم نے اپنے کو اس کے لائق نہیں سمجھا اور تیس برس اس خیال میں گزرے یا چالیس برس اس خیال میں گزرے افسوس کہ وہ ضائع ہوئے، اس لیے کہ عمر وہی لائق اعتبار ہے جو صحیح طریقہ پر گزری اللہ کی مرضیات میں گزری ہو اور جس میں ہم نے اصل مقصد کے لیے کوشش کی ہو، ہم بڑے خسارہ میں رہے کہ ہم یہ سمجھتے رہے کہ ہمارے لیے ترقی نہیں ہے اور ترقی ہے تو محدود، بس ہم سے تو ٹوٹی پھوٹی نماز ادا ہو جائے اور اس کے علاوہ ہم سے ہو ہی کیا سکتا ہے، یہ بات صحیح نہیں۔

غافل عابد اور ذاکر تاجر

میرے بزرگو! ٹوٹی پھوٹی، چھوٹی نماز کو تم اعلیٰ سے اعلیٰ بنا سکتے ہو، اور اسی تجارت کے اندر ایسا حضور، ایسا استحضار، ایسی یکسوئی اور ایسی توجہ الی اللہ پیدا کر سکتے ہو کہ اس پر بڑے بڑے عابدوں کو اور اولیاء اللہ کو رشک آ جائے۔

میں نے اپنی ایک تقریر میں سنایا تھا کہ ایک بزرگ حج کو گئے کوئی کہتا ہے کہ حضرت ملا علی قاری تھے کوئی کہتا ہے حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند تھے، وہ واپس آئے تو ان سے کسی نے پوچھا حضرت! آپ نے عجیب بات کیا

دیکھی، اتنا بڑا سفر اور آپ کی نگاہ دوررس، آپ نے کوئی انوکھی بات دیکھی ہوتو بتایئے، انہوں نے کہا کہ ہاں دو باتیں عجیب وغریب دیکھیں، ایک بات تو میں نے یہ دیکھی کہ میں نے ایک شخص کو بیت اللہ شریف میں ملتزم پر، غلاف کعبہ کو پکڑے ہوئے دیوار سے چمٹے ہوئے دیکھا کہ زاروقطار رو رہا تھا اور دعا کر رہا تھا اس سے بڑھ کر رقت اور حضوری کا کون سا وقت ہوسکتا ہے، اور کونسی جگہ ہوسکتی ہے، لیکن وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کے دل کو ٹٹولا، اور اس کا جائزہ لیا تو یہ محسوس کیا کہ وہ ایک لمحہ کے لیے بھی خدا کی طرف متوجہ نہیں ہوا، اور اس کے بالمقابل میں نے یہ بھی دیکھا کہ منیٰ کے بازار میں ایک شخص سیکڑوں روپے کے کاروبار میں مصروف ہے، گاہکوں کا ہجوم، بات کرنے کی یا سلام کے جواب دینے کی فرصت نہیں، مال وسامان دے رہا، حساب لگا رہا ہے چیزیں واپس کر رہا ہے لے بھی رہا ہے، دے بھی رہا ہے میں اس کے قلب کی طرف متوجہ ہوا، تو اس کو ایک لمحہ کے لیے بھی خدا کی یاد سے غافل نہیں پایا، ذرا دیکھئے تو! تاجروں میں ایسے عابد، عابدوں میں ایسے غافل۔

اللہ سے تقرب کا راستہ اور اس کا نصاب

میری تقریر کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ اس کی ترتیب کیا ہے اس کا راستہ اور نصاب کیا ہے؟ اس کے اجزاء کیا ہیں؟ اس لیے کہ صرف اس سے کام نہیں بن سکتا کہ ایسا کرنے سے آدمی اللہ کا ولی بن جائے گا، اس کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے کہ اس کی کیا ترتیب ہونی چاہیے، اور اس کا نصاب کیا ہوگا؟

اب میں اس سے متعلق چند باتیں عرض کروں گا اور اس لالچ میں عرض کروں گا کہ شاید اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو توفیق دے دے اور وہ ان کو اپنی گرہ میں باندھ لے اور اس کے بعد ان پر عمل کرے، اور اللہ تعالیٰ میری مغفرت کا اور اس جلسہ کے بلانے والوں یا انتظام کرنے والوں کی مغفرت کا سامان فرمادے تفصیل کا وقت نہیں میں ان سب کا خلاصہ بیان کروں گا۔

سب کے کرنے کا کام

تاجروں کے لیے، غلاموں کے لیے، اہل وعیال خانگی زندگی رکھنے والوں کے لیے، مشغول انسانوں کے لیے سب سے اہم چیز اور سب سے ضروری کام اور ہر ایک کے کرنے کی بات تو یہ ہے کہ اپنا عقیدہ درست کریں، کسی وقت بھی اس کو معمولی کام نہ سمجھیں، جیسے صوفیائے کرام مراقبہ کی دعوت دیتے ہیں میں بھی آپ کو اسی قسم کے ایک مراقبہ کی دعوت دیتا ہوں، مراقبہ کے لفظ سے آپ گھبرائیے گا نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"قُلْ إِنَّمَا أَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ أَنْ تَقُومُوا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوا مَا بِصَاحِبِكُمْ مِنْ جِنَّةٍ". (۱)

"کہہ دیجیے! کہ میں تمہیں صرف ایک ہی بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے واسطے (ضد چھوڑ کر) دو دو مل کر یا تنہا تنہا کھڑے ہو کر سوچو تو سہی، تمہارے اس رفیق کو کوئی جنون نہیں ہے"۔

---

(۱) سورہ سبا: ۴۶

تو اس کے لیے چند منٹ، تھوڑا وقت نکال کر تنہائی میں مسجد کے کسی کونہ میں بیٹھ کر یا اور کہیں اور دور جا کر اور آپ کو یکسوئی نہ حاصل ہو پا رہی ہو تو دوسری ایسی جگہ چلے جائیں جہاں یکسوئی مل سکے، جا کر ذرا سا غور کیجئے کہ ''لاالٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ'' کے معنی کیا ہیں؟

''اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' کے معنی کیا ہیں؟

اس میں ہم نے کیا اقرار کیا ہے؟ اس اقرار سے ہم پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟ اس کے معنی کون نہیں جانتا، آپ نہیں جانتے جو جانتا ہو اس سے گجراتی زبان میں، اردو زبان میں اگر یہ بھی نہیں آتی تو اپنی علاقائی زبان میں یا جو بھی زبان سمجھتے ہوں اس میں لکھا لیجئے اور چند منٹ اس پر غور کیجئے اور میں تو آپ سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ یہ سمجھ کر غور کیجئے کہ اب تک آپ کو اس سلسلے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ اس میں کوئی تکلیف اور دشواری کی بات نہیں ہے اور نہ ہی کوئی اہتمام ہے، کوئی التزام ہے یہ بات اس لیے آپ سے کہی کہ جب آدمی یہ سمجھتا ہے کہ وہ کوئی خاص قسم کی بات سن رہا ہے، یا دیکھ رہا ہے تو اس پر توجہ بڑھتی ہے۔

یہ چند اہم اور ضروری باتیں ہیں جو نمبر وار کہی جا رہی ہیں، وقت ہوتا تو کہتا کہ نوٹ بک (Note Book) لائیں اور ان باتوں کو محفوظ کر لیں، مگر اس کا موقع اور وقت نہیں، ہاں! اپنے دل و دماغ میں محفوظ کر لیجئے، اسی ترتیب سے نمبر وار یاد کر لیجئے، ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ان میں کوئی بات شریعت کے خلاف نہیں ہے، اور یہ ساری باتیں تجربہ کی ہیں۔

عقیدۂ توحید ورسالت

سب سے پہلی بات تو یہ کہ آپ اپنے عقیدہ پر نظر ڈالیے کلمہ کے مفہوم کو سمجھئے اور اس میں جو عہد لیا گیا ہے اس کو پھر سے تازہ کیجئے حدیث میں آتا ہے کہ جددو ایمانکم، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے ایمانوں کو تازہ کرو۔

ایمان بھی پرانا ہوجاتا ہے، جیسے کپڑے پرانے ہوجاتے ہیں ان کو دھلانا پڑتا ہے، اس پر گرد وغبار جو آجاتا ہے اس کو دور کرنا پڑتا ہے، اسی طرح ایمان کا بھی معاملہ ہے وہ بھی پرانا ہوجاتا ہے اس لیے اس کو تازہ تازہ کرتے رہنا چاہئے، صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کیسے تازہ کیا کریں؟ کس طرح نیا کریں؟ تو آپ نے یہ فرمایا تھا کہ لاالٰہ الا اللّٰہ کی کثرت کرتے رہا کرو۔

اسی طریقہ سے آپ ایک مرتبہ کلمہ کے مضمون پر غور کریں، اور از سرنو اس کو اپنے دل میں دہرائیں، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ خود اپنا عہد تازہ کرلیں، کہ ہم تیرے سوا کسی کی بندگی نہیں کریں گے، ہم تو گواہی دیتے ہیں کہ تیرے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں ہے، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں۔

اور اسی کے ضمن میں توحید کو سمجھنے کی کوشش کریں اس لیے کہ سارا دارو مدار توحید پر ہے اور "اشہد ان لا الٰہ الا اللّٰہ" میں اس کی شہادت کا اعلان ہے، اور حضور ﷺ نے اسی پر عمل کرنے کے لیے جنت کی بشارت سنائی ہے اور اس کی ضمانت دی ہے۔

توحید کے معنی

توحید کے کیا معنی ہیں؟ توحید کے معنی ہیں کہ اس کائنات میں کسی کو بھی یہ نہ سمجھیں کہ اس کا بھی کوئی عمل دخل ہے کوئی اور بھی اس کو چلا سکتا ہے، کوئی اور بھی اس میں مداخلت کرسکتا ہے کوئی اور بھی اس کا انتظام کرسکتا ہے، کسی اور کے پاس بھی کوئی شعبہ ہے جس کا وہ انچارج ہو، بالکل نہیں، دماغ سے بالکل اس بات کو نکال دیں اور سمجھیں کہ

"أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ". (۱)

''اسی کا کام ہے دنیا کو پیدا کرنا اسی کا کام حکم دینا اور نظام چلانا''۔

اس کے لیے ایسی کتابیں حاصل کریں جس سے آپ کے لیے توحید کا عقیدہ صاف ہوجائے اس میں پختگی پیدا ہوجائے، قوت پیدا ہوجائے، مضبوطی پیدا ہوجائے پھر کوئی خطرہ نہیں اور اگر ایسا نہیں ہے اور خدانخواستہ کوئی دوسرا پہلو ہے، لچک اور نرمی ہے اور آپ کسی کو بھی دخیل سمجھتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ فلاں بھی تغیر کرسکتا ہے یا یہ کہ روزی دیتا ہے اور مشکل فلاں آسان کرتا ہے، بگڑی کوئی اور بناتا ہے، مراد پوری کرنے والا دوسرا ہے، شفا دینے والا الگ ہے تو پھر خطرہ ہے اور ایسا خطرہ ہے کہ اندیشہ ہے کوئی بھی عبادت اس کے ساتھ قبول نہ ہو، اس لیے خیرخواہی کا تقاضہ یہ ہے کہ توحید کے بارے میں پوری تحقیق کرلیں اور اس کا بہترین ذریعہ ہے کہ قرآن شریف آپ پڑھیں اور سمجھ کر پڑھیں، اللہ کے فضل

---

(۱) سورۃ الاعراف: ۵۴

وکرم سے قرآن مجید کا ترجمہ ہر زبان میں محفوظ ہے، برمی میں کمی تھی اس میں ہو رہا ہے اور جو چھپ چکا ہے اتنی بات سمجھنے کے لیے وہ کافی ہے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں آپ کی جو زبان ہو گجراتی ہو یا برمی ہو اس میں ترجمہ دیکھئے اور توحید کو سمجھ لیجئے اور یہ جان لیجئے کہ توحید کا مطلب کیا ہے اللہ تعالیٰ انسان سے کس توحید کا مطالبہ کرتا ہے: "وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَاۗدَّ لِفَضْلِهٖ". (۱) اگر اللہ تمہارے پاس کسی نقصان کا ارادہ کرے کوئی نہیں ٹال سکتا، اور بھلائی کا ارادہ کرے تو تمہیں کوئی روک نہیں سکتا۔

صاف صاف قرآن مجید اس سے بھرا ہوا ہے، کوئی سورہ نکال لیجئے اس کو دیکھ لیجئے، یہ سب سے اہم بات تھی جو پوری صفائی سے اور وضاحت کے ساتھ پیش کر دی۔

توبہ وانابت

دوسری بات یہ ہے کہ اپنے اپنے گناہوں سے ہر ایک توبہ کرے، توبہ فرض ہے توبہ کے بارے میں بڑی غلط فہمی ہے لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ الگ سے کوئی ذکر ہے، عبادت ہے، جیسے درود شریف پڑھ لیا، استغفار پڑھ لیا، حالانکہ توبہ کرنا فرض ہے، اور کس سے گناہ نہیں ہوا، " ایمانم یذنب " ، ایک ایک گناہ کا خیال کر کے اس سے توبہ کیجئے ورنہ اجمالی طور پر یوں کہئے کہ اے اللہ جتنے گناہ مجھ سے اب تک ہوئے ہیں ان سے توبہ کرتا ہوں ان کو مستحضر کر کے دل سے توبہ کیجئے اور عزم کیجئے کہ

---

(۱) سورہ یونس: ۱۰۷

آئندہ یہ گناہ نہیں ہوں گے، توبہ فرض ہے توبہ سے پہلے مرجانا بڑے خطرہ کی بات ہے، توبہ سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں، حدیث شریف میں آتا ہے "التائب من الذنب کمن لا ذنب له" (گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہوتا ہے کہ جیسے اس نے گناہ سرے سے کیا ہی نہیں) اور خود اللہ رب العزت نے فرمایا ہے:

"قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ". (۱)

کہہ دیجئے (اے محمد ﷺ) اے لوگو! اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو اللہ تو تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے (تمام گناہوں کو معاف کر دے گا) بیشک اللہ تعالیٰ بڑا غفور رحیم ہے۔

پہلی بات تو یہ کہ عقیدہ پر غور کیجئے اس پر مضبوطی سے قائم رہئے اور کلمہ شہادت کے مفہوم و مطلب کو ذہن میں تازہ کیجئے اور اس کے تقاضوں کو سمجھئے۔

دوسری بات یہ کہ اپنے پچھلے گناہوں سے توبہ کیجئے، یہ ہر مسلمان کے لیے میں پروگرام بتا رہا ہوں جس سے اللہ کی رضا بھی حاصل ہوگی اور اس کے مطابق بڑے بڑے درجے حاصل ہوں گے۔

دوسری بات جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ توبہ اور پھر گناہ ہو جائیں تو پھر توبہ، پھر گناہ ہو جائے تو پھر توبہ کیجئے۔

لیکن یہ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ گناہ کا بار بار ہو جانا بڑی خطرناک بات ہے، مگر توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور اس وقت تک کھلا ہوا ہے جب تک کہ سکرات کا وقت

(۱) سورۃ الزمر: ۵۳

نہ شروع ہوجائے، اور وقت آخر آنہ پہونچے یا آفتاب مغرب سے طلوع ہوجائے۔

اخلاصِ نیت

تیسری بات یہ ہے کہ نیتیں درست کیجئے، اخلاص پیدا کیجئے جو کام بھی آپ کرر ہے ہیں رضائے الٰہی کے لیے بنالیجئے، اگر تجارت کرر ہے ہیں تو کل سے آپ اس نیت کے ساتھ بیٹھئے کہ اس میں اللہ کی رضا ہے، ہمارے لیے یہی عبادت ہے، ہمارے لیے یہی حکم ہے، اور ہم اللہ کا حکم پورا کرر ہے ہیں اور ہم کو ثواب مل رہا ہے یہ یقین ہونا چاہیے، اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِیٍٔ مَّانَوٰی" (صحیح بخاری کتاب الایمان، باب بدء الوحی) کہ تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے ہر انسان کو وہ ملے گا جس کی اس نے نیت کی۔

اب نیت کی درستگی کے بعد ثواب ملنا شروع ہوجائیگا ابھی تک تجارت بس تجارت تھی، ایک ذریعہ معاش تھا اب انشاءاللہ یہی تجارت عبادت بن جائے گی، نیت بڑی اہم چیز ہے اس سے ایک بڑی ضرورت ثواب کا کام اور عبادت کا کام بن جاتا ہے۔

علم

چوتھی بات یہ ہے کہ آپ جس مشغلہ میں ہیں جونسا کام آپ کرر ہے ہیں اس سے جو احکام متعلق ہیں ان کو معلوم کیجئے کہ ان کا معلوم کرنا فرض ہے، اگر تجارت کرر ہے ہیں تو حرام کیا ہے معلوم کر کے اس کو چھوڑ دیجئے یہ ضروری نہیں

جتنے حرام طریقے ہو سکتے ہیں سبھی کی معلومات آپ حاصل کریں، لیکن جس میں خطرہ اور اندیشہ ہے حرام میں مبتلا ہو جانے کا اور شک وشبہ ہے، ان کو معلوم کر کے اب بچئے اور ہوشیار ہو جایئے کہ اب نہیں کرنا ہے، فلاں تجارت میں سود کا کاروبار کرتا رہے اس میں سود کا لین دین نہیں کرنا ہے، فلاں تجارت میں دھوکہ دیتے رہے ہیں ہمیں یہ نہیں کرنا ہے وہ غلط طریقہ سے کاروبار کر رہا ہے ہم کو نہیں کرنا، وہ ناجائز چیزوں کا سودا کر رہا ہے ہم کو نہیں کرنا ہے، اس لیے یہ ضروری ہے کہ اپنے اپنے پیشے اور کام میں جو حرام چیزیں ہیں معلوم کر کے ان سے بچنے کی کوشش کیجئے۔ شریعت کے احکام جو ہیں ان کو معلوم کر کے اس کے مطابق چلئے۔

ذکر

پانچویں چیز یہ ہے کہ جو وقت آپ کا تجارت میں گزر رہا ہے، اس کو اس طرح پورے طور پر نہ گزرنے دیجئے بلکہ بیچ بیچ میں اللہ کی طرف خود متوجہ ہو جایا کیجئے اس کا ایک سامان وانتظام سرکاری طور پر یہ ہو گیا ہے کہ درمیان میں اللہ نے نمازیں رکھ دیں۔

"رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ". (۱)

جماعتوں کی پابندی کیجئے، مسجدوں میں جانے کی کوشش کیجئے، نہیں جا سکتے کوئی عذر ہے تو دوکان پر جماعت کے ساتھ نماز پڑھئے، غفلت کوفی الجملہ

(۱) سورۃ النور: ۳۷

دور کیجئے، دین کی غفلت بُری چیز ہے، بیچ بیچ میں سبحان اللہ سبحان اللہ، لا حول ولاقوۃ الا باللہ، الحمد للہ، الحمد للہ، استغفر اللہ استغفر اللہ، اللہ اکبر، اللہ اکبر پڑھ لیا کیجئے تھوڑی تھوڑی دیر سے ضرور کہا کیجئے انشاءاللہ ذاکرین میں لکھے جائیں گے۔

موت کا دھیان

چھٹی چیز یہ ہے کہ تھوڑی دیر کے لیے موت کو کسی وقت یاد کرلیا کیجئے اگر یہ نہ ہو سکے تو روز آنہ سوتے وقت یا کسی وقت کہ آخر ایک دن مرنا اور وہ دن کب آجائے کچھ پتہ نہیں، یہاں جو کچھ ہے سب یوں ہی پڑا رہ جائے گا

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا
جب لاد چلے گا بنجارہ

آج ہی میں جب قبرستان دیکھ کر آیا ہوں آپ کا سورتی قبرستان دیکھا بڑی بڑی تختیاں لگی ہوئی ہیں، اور بڑے بڑے القاب لکھے ہوئے ہیں کوئی کمشنر ہے کوئی کچھ ہے، کوئی تاجر ہے، کوئی وہ تھا، کوئی یہ تھا، لیکن میں دیکھ رہا ہوں جگہ ان کی یہ ہے وہاں اسی وقت یہ تختیوں سے نظر آرہے ہیں، جگہ ان کی یہ تھی اور وہ سب کارخانے مکانات کمپنیکس وغیرہ وہ سب ان کے وارثوں کا اور وہ یہاں عارضی طور پر ہے پھر ان کے بعد کے لوگوں کا ہوگا پھر ان کے وارثوں کا ہوگا۔

بہترین علاج اور بہترین تصوف یہ ہے کہ موت کا کسی وقت دھیان کرلیا کیجئے انشاءاللہ یہ جو مرض پیدا ہو جاتا ہے ہوس کا اور "ھل من مزید" کا،

جس کے لیے بڑے بڑے مربیوں کی، مرشدوں کی ضرورت پڑتی ہے اسی سے وہ بات حاصل ہو جائے گی حدیث میں آیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علاج بتایا ہے "اکثروا ذکر ھاذم اللذات" کہ مزوں کو کرکرا کرنے والی چیز کا کثرت سے تذکرہ کیا کرو۔ یعنی موت کا تذکرہ۔

نیک صحبت

ساتویں چیز ایک اور ہے جو قوت پیدا کرنے کے لیے ہے تجربہ کے طور پر عرض کرتا ہوں وہ صحبت ہے، شہر میں اللہ کا کوئی مخلص بندہ ہے، اور تین چار کچھ مخلص اور باعمل خوف خدا رکھنے والے احباب ہیں، ان کے پاس کچھ وقت بیٹھا کیجیے، ان کے پاس وقت گزاریے، اس لیے کہ اپنے عیب نظر نہیں آتے، اور انسان کے قلب کا قلب پر اثر پڑتا ہے، یہ بات اتنی ضروری ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید میں فرمایا گیا:

"وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ". (۱)

"اپنے کو باہتمام روکے اپنے کو دکھایئے ان لوگوں کے پاس جو کہ اللہ کے طالب ہیں اس کے مخلص ہیں اور اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں صبح وشام"۔

صحبت تلاش کیجیے، وہ صحبت چاہے ہفتہ وار ہو، چاہے ماہوار ہو، چاہے سال میں کچھ وقت اس کے لیے نکالیے، میں کہتا ہوں اگر اس کے لیے کوہ قاف پر جانا

---

(۱) سورۃ الکہف: ۲۸

پڑے، کوہِ قاف پر جایئے، لیکن کوہ قاف پر جانے کی ضرورت نہیں کوہ قاف پتہ نہیں آج کس کے قبضہ میں ہو، یہودیوں کے قبضہ میں ہو، کس کے قبضہ میں ہو، ہندوستان جانے کی ضرورت ہو، پاکستان جانے کی ضرورت ہو، یہاں کسی شہر میں جانے کی ضرورت ہو، کسی اور محلہ میں جانے کی ضرورت ہو جایئے اور یہ جو کہ لوگوں نے کہا

یک ساعت باولیاء

بہتر از صدسالہ طاعت بے ریا

کہ ایک ساعت بزرگوں کے ساتھ اہل اللہ کے ساتھ گزارنا صدسالہ بے ریا طاعت وعبادت سے بہتر ہے، یہ یوں ہی نہیں کہا گیا، یہ بات کوئی غلط نہیں ہے اگر کسی کو کوئی اشکال ہو تو میرے پاس کسی وقت آکر مجھ سے سمجھ لے یہ وقت تفصیل کا نہیں۔

صحبت کا قائم مقام نظام

ایک بات اور عرض کرتا ہوں کہ اس صحبت کا قائم مقام اس صحبت کو اور زیادہ مؤثر، طاقتور بنانے کا ایک پورا نظام سامنے آگیا ہے یہ بھی صحبت ہی ہے، اور بعض وقت تو اس میں ایک انقلابی صحبت سے زیادہ طاقت ہے، وہ کیا ہے کہ مہینہ میں دو مہینے میں چار مہینے میں آپ اپنے لیے جو نظام بنا سکیں، آپ اپنا کوئی وقت نکال کر، مثلاً چالیس دن، ایک مہینہ، دو ہفتے، اور کچھ نہیں تو دس دن، یا ایک ہفتہ لگالیں، اس کا بھی وقت نہیں مل رہا تو تین دن اور آخری بات یہ ہے کہ ۲۴ گھنٹہ کسی تبلیغی جماعت کے ساتھ جاکر مسجد میں وقت گزاریں، اپنے ماحول سے نکل کر،

اور ہر طرف سے یکسو ہو کر دور جا کر کچھ وقت گزاریں، تا کہ آپ کے اندر دین کی عظمت پیدا ہو، ان لوگوں کو دیکھ کر کچھ غیرت پیدا ہو، اور آپ کو اپنی کمی کا احساس ہو، اور آپ کو اپنے اندر اپنے مقابل میں اللہ کی طرف متوجہ ہونے کی طاقت اور ملکہ پیدا ہو کہ آپ ہوں مشغول اپنے مشغلہ میں، لیکن آپ کی توجہ اللہ کی طرف ہو۔

میرے دوستو! یہ کوئی شعر نہیں ہے، یہ ایک ضرورت کی بات کہہ رہا ہوں اسی کے لیے پہلے چلہ کشی ہوا کرتی تھی، لوگ خانقاہوں میں جا کر پڑتے تھے، اور کچھ سلے کرآتے تھے، جب ہم اجتماعی زندگی میں زندگی کے جھمیلوں میں پڑے ہوں تو اللہ کی طرف متوجہ رہ سکیں، دل ہمارا غافل نہ ہونے پائے، تعلق مع اللہ حضور مع اللہ حاصل ہو اس کے لیے لوگ بزرگان دین کی طرف جایا کرتے تھے، اور چلہ کشی کیا کرتے تھے۔

میرے دوستو! اب زمانہ ایک خاص طرح کا ہے، اب زمانے کی ذمہ داریاں اور مشغولیتیں بہت بڑھ گئی ہیں، اللہ نے اپنے ایک مخلص بندہ (حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ) پر یہ بات منکشف فرمائی کہ اس کو ایک عام دعوت بنایا جائے، کہ تاجروں کو بھی دعوت دی جائے، مزدوروں، غیروں کو بھی دعوت دی جائے، ہر طبقہ کے لوگوں کو دعوت دی جائے، کہ نکلو اور چند دن اللہ کے راستہ میں جا کر کچھ وقت گزارو، جہاں تعلیم ہوگی اللہ کا ذکر ہوگا، فکر ہوگی، کچھ سننا ہوگا، کچھ کرنا پڑے گا، گشت ہوگا لوگوں سے باتیں کرنی ہوں گی، آداب معلوم ہوں گے، سونے کے آداب، کھانے کے آداب، رہنے کے آداب، ملنے جلنے کے آداب، بات کرنے کے آداب، مسجد سے نکلنے کے آداب مسجد میں آنے کے

آداب، گھر میں جانے کے آداب وغیرہ۔

یہاں بھی تبلیغی جماعت موجود ہے، میں اس جماعت کا محض وکیل اور ایجنٹ بن کر نہیں کہتا، میرا اس جماعت سے مستقل تعلق ہے جو لوگوں کو معلوم ہے، ہم اپنے شہر میں اس کی دعوت دیتے ہیں یہ نہیں کہ ان لوگوں نے مجھے سکھا پڑھا دیا ہو اور ابھار دیا ہو، اور آمادہ کیا ہو کہ ہم آپ سے اس موقع پر اس کی بات کریں، یہ ہماری مستقل دعوت اور تجربہ ہے کہ جو لوگ اس جماعت میں نکلے اور اپنے گھروں سے باہر گئے، ان پر وہ اثرات پڑے جو اپنے یہاں رہ کر بڑی بڑی کتابیں پڑھ کر اور بہت تسبیح پڑھنے سے، ذکر و شغل کرکے بھی وہ بات حاصل نہیں ہو پاتی، اور یہ قدرتی بات ہے جب آدمی ماحول سے دور ہو جاتا ہے تو اثر جذب کرنے کی صلاحیت اس میں پیدا ہوتی ہے، اور اس کو بار بار ٹھوکر لگتی ہے، اس کے ذہن کو بار بار ٹھوکر لگتی ہے کہ زندگی بڑی غلط گزر رہی تھی زندگی اس طرح گزرنی چاہئے، کچھ اللہ کے مخلص بندے ہوتے ہیں ان کو دیکھ کر اور جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

نظام ولایت

دوستو! میں نے آپ کا بہت وقت لیا، اور اپنی پوری بات پورے اطمینان کے ساتھ کہی، اب اسے نمبروار گنا تا ہوں تا کہ یہاں سے نکلنے سے پہلے وہ آپ کے ذہن میں پوری طرح بیٹھ جائے، آپ یہاں سے جائیں تو اس ضرورت کا احساس لے کر جائیں اور اس حوصلہ کے ساتھ جائیں کہ اپنی زندگی کو اس کے مطابق ڈھالنا ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ یہ نظام ولایت ہے، یہ میرا منھ نہیں لیکن میں یہ ضرور کہتا ہوں کہ کوئی شخص پورے خلوص کے ساتھ اور پابندی کے ساتھ اس پر عمل کرے گا تو کچھ بعید نہیں ان میں سے عمل کرنے والوں میں بہت سے اللہ کے مقبول بندے بن جائیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو اپنا مقبول بندہ بنا لے۔

بھائی ہمارا تو کچھ خرچ ہوتا نہیں یا یہ کہ آپ نے ہمیں کچھ دیا ہو اور ہم نے آپ سے کچھ لیا ہو، کہ ہم کو اس کا لحاظ ہو، اور ہم سوچ کر کہیں، آپ سے پوچھ کر کہیں، کیا کہنا ہے کس حد تک کہنا ہے، اور آپ اعتراض کریں کہ کیا کہہ رہے ہو تم تو ولایت لٹا رہے ہو، ہماری ولایت تو ہے نہیں کہ ہم کچھ لٹائیں جس کی ولایت ہے وہ سات طبقوں میں بھی بنادے، حدیث میں تو یہاں تک آتا ہے:

کہ اے انسانو! "با ولکم و آخر کم" اگر تم سب اول وآخر جتنی نسل آدم گزری ایک صعید واحد ایک میدان میں جمع ہو اللہ تبارک وتعالیٰ تم سب کو ولی بنادے کوئی تعجب کی بات نہیں۔

علی اتقی رجل اور اس قسم کے الفاظ آئے ہیں کہ تم سب متقی انسان بن جاؤ کچھ بعید نہیں، اللہ کے خزانہ میں کچھ کمی نہیں ہوگی، تم سب شقی بن جاؤ تو اللہ کے خزانہ میں کچھ کمی نہ ہوگی، تو اگر میں یہ کہتا ہوں تو یہ میری کوئی جسارت نہیں ہے کوئی لن ترانی نہیں ہے، میں تو اس اعتماد پر کہتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تمام مسلمانان رنگون کو ولی بنادے اور سارے غیر مسلموں کو مسلمان بنا کر ولی بنادے تو کوئی حیرت واستعجاب کی بات نہیں۔

اس کی شان تو یہ ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل وحشی

اور ہمارے ایمان واعتقاد کا تقاضہ تو یہ ہے کہ ہم سیدنا حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب اور چاہنے والے چچا کا قاتل اس سے بڑھ کر شقاوت کی بات کوئی اور ہوسکتی ہے لیکن آج یہ کوئی کہے کہ بڑے سے بڑے درجہ کا ولی حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے درجہ تک نہیں پہونچ سکتا، تو بات تو یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے ہمارا عقیدہ ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کے صحابی کے مرتبہ کو اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کا ولی وعابد نہیں پہونچ سکتا، اس لیے میں کہتا ہوں کہ اس نظام پر جو عمل کرے معلوم نہیں دو کریں گے، چار کریں گے، سو کریں گے، ہزار کریں گے، یہ تو اپنی اپنی قسمت اور میری زبان کا اثر ہے، اثر دینے والا اللہ ہے، وہی بات ہم کہتے ہیں، وہی اللہ کا ایک مقبول بندہ کہتا ہے، بات ایک ہی مگر اثر کے لحاظ سے بہت فرق ہو جاتا ہے، اگر ہماری زبان میں اثر ہوتا تو معلوم نہیں اس وقت کیا ہو گیا ہوتا، بہر حال کہنا ہمارا کام ہے اس سے زیادہ کے ہم مکلف نہیں۔

نمبر وار سنئے!

۱۔ آپ اپنے ایمان کو تازہ کریں، کلمہ کے مضمون کو تازہ کریں اور حاضر کریں دماغ میں، دوسری بات اور وہ بھی پہلی بات ہی ہے کہ، توحید کو سمجھیں، اور اس کے لیے قرآن وحدیث کا مطالعہ کریں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ"۔ (۱) ہم نے قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے

---

(۱) سورۃ القمر، ۱۷

نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کردیا ہے، ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟ قرآن مجید میں ایک بار نہیں کئی بار اللہ تعالیٰ نے توجہ دلائی ہے اور اسی مضمون کو دوہرایا ہے، قرآن مجید سے تعلق بڑھایئے، یاد رکھئے جو تمہیں قرآن مجید پڑھنے اور سمجھنے سے روکتا ہے وہ تمہارا دشمن ہے، اور وہ یہ چاہتا ہے کہ وہ تمہیں لوٹتا رہے اور تم کو کھاتا رہے اور تم کبھی اللہ کی کتاب کو نہ سمجھ سکو اور کبھی یہ آیت تمہارے سامنے نہ آنے پائے، جانتے ہو کس آیت کا کھٹکا ہے ایسے لوگوں کو سب سے زیادہ اس آیت کا کھٹکا رہتا ہے کہ یہ آیت پڑھنا، سمجھنا بڑا خطرناک، گمراہ ہو جاؤ گے، وہ کونسی آیت ہے؟ سنئے!:

"اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ" يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ"۔(۱)

"اے ایمان والو بہت سے ایسے علم والے اور نصیحت والے لوگ ہیں کہ وہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے اور اللہ کے راستے سے روکتے ہیں"۔

وہ یہ نہیں کہے گا کہ اس آیت پر تمہاری نگاہ نہ پڑے، وہ قرآن مجید پڑھنے اور سمجھنے سے روکے گا، قرآن مجید کو سمجھنے لگ گئے تو یہ معلوم ہونے لگے گا کہ یہ کرنے کو کہا جارہا ہے، اور اس کے کرنے سے روکا جارہا ہے، شرک، بدعت، معصیت سب کی تمیز ہونے لگے گی، ایسے لوگ اس سے ڈرتے ہیں کہ یہ جو جگہ جگہ قبروں پر لوگوں کو سجدہ کرایا جارہا ہے، نمازیں معاف کی جارہی ہیں، حرام

(۱) سورۃ التوبہ ۳۵

حلال کا کوئی خیال نہیں، بس من مانی کی، اور لوٹ کھسوٹ کی زندگی، قرآن مجید کے مطالعہ سے وہ اس جھگڑے میں پڑ جائے گا کہ یہ شرک ہے یہ بدعت ہے، یہ معصیت ہے، اس لیے ایسے لوگ سب سے پہلے قرآن مجید سے دور کرتے ہیں اور توحید کے سمجھنے میں حائل ہو جاتے ہیں، اسی لیے ایک بات تو یہ کہ توحید کو سمجھنے اور قرآن سے سمجھنے کتاب اللہ سے مستند کوئی اور چیز نہیں۔

۲۔ گناہوں سے توبہ، بیٹھ کر سوچ کر، غور کر کے ایک ایک گناہ سے توبہ کیجئے کہیے کہ یا اللہ جتنے گناہ ہم نے زندگی بھر کئے ہیں سب سے توبہ، ایک ایک سے توبہ، اور خاص خاص گناہوں کو ذہن میں لا کر، حرام کام، کبائر سب سے جو بھی ہوئے ہم بھی خطا کار گناہ گار ہیں، فرمادیا گیا ہے "كُلُّكُمْ خَطَّاءُونَ وَخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ" کہ تم سب خطا کار ہو اور خطا کاروں میں بہترین خطا کار وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں۔

۳۔ اخلاص وللّٰہیت اور صحیح نیت۔ اپنے کاموں کے لیے، اپنے مشغلہ کے لیے نیت کر لیجئے کہ یہ کام ہم کس لیے کس کے لیے کریں گے، تجارت اللہ کی رضا کے خاطر اور بچوں کی تربیت کے لیے ہوگی، ہم اللہ کے حکم کے بندے ہیں نفس کے بندے نہیں ہیں۔

۴۔ غفلت نہ آنے پائے، غفلت آئے تو آپ دور کرتے رہیں، اور تھوڑے تھوڑے وقت میں آپ اللہ کا ذکر کرتے رہیں۔

۵۔ موت کا تصور ہو، تا کہ زندگی کے اس مرحلہ میں جس نے صحیح معنی میں پیٹ کا بندہ اور دنیا کا کتا بنا رکھا ہے، اس کی بے ثباتی اور فنائیت کا یقین پیدا

ہو اور آخرت والی زندگی کی ابدیت وبقائیت کا یقین بیٹھے اور یہ بات موت کے دھیان کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔

۶۔ دینی احکام معلوم کر کے زندگی گزاری جائے، اپنے اپنے پیشے اور مشغلہ کے مطابق احکام معلوم کیے جائیں۔

۷۔ صحبت۔ صحبت کا ایک خاص طریقہ ہے کچھ وقت اللہ کے مخلص اور فرمانبردار بندوں کے ساتھ یکسوئی اور تابعداری کے ساتھ گزارنا، جس کو صحبت نہ حاصل ہو یا اور کوئی مجبوری ہو، دشواری ہو وہ ایسی کسی جماعت (تبلیغ) میں نکل جائے (جس کے ساتھ نکلنا اس کے لیے آسان ہو) یا اپنا کوئی معمول بنالے مہینہ میں ایک مرتبہ، دو مہینہ میں ایک مرتبہ، چار مہینے میں ایک مرتبہ، چھ مہینے میں ایک مرتبہ اور کچھ نہیں سال میں کچھ وقت فارغ کریں، ہاں جب سال میں وقت نکال رہے ہیں تو وقت اچھا ہونا چاہئے، زیادہ ہونا چاہئے تا کہ ملکہ پیدا ہو اور آپ اللہ کی طرف توجہ اپنی مشغولیت میں بھی کر سکیں۔

آخری بات

بس اب بات پوری ہو گئی، اگر کام کی بات ہے اور آپ کے دل نے قبول کیا تو الحمد للہ علی ذلک، اللہ ہی نے اپنے عاجز بندہ کی زبان سے یہ بات نکلوائی، اور اگر ایسا نہیں آپ کے دل نے قبول نہیں کیا، آپ کو پسند نہیں تو آئندہ تکلیف نہ دیجئے گا، ہمیں کوئی شکایت نہیں ہوگی، ہاں یہ ضرور ہے کہ اللہ نے جس کی زبان سے نفع مقدر کر دیا ہے آپ جتنا بھی بھاگیں اس کی زبان سے نفع پہونچ کر رہے گا، یہ بھی ایک رزق ہے جو بندہ کے لیے لکھا جاتا ہے وہ پہونچ کر رہتا ہے۔

اللہ معاف کرے اور توفیق دے

اللہ تعالیٰ ہم سب کے گناہوں کو معاف فرمادے، ہمارے قصوروں کومعاف کردے، ہماری خطاؤں کو معاف کرے، ہمارے مظالم کو معاف کرے، ہماری کوتاہیوں کو ہمارے اسراف کو ہم سے جو غلطیاں ہوئیں ان کو معاف فرمائے، آئندہ توفیق دے صحیح معرفت عطا کرے، صحیح توحید کا عقیدہ عطا کرے، فرائض کا پابند بنائے، مرد ہوں یا عورتیں اللہ نماز کا پابند بنائے، اللہ حقوق العباد اور اپنے حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ آئندہ تمام گناہوں سے محفوظ و مامون رکھے۔

ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنكونن من الخاسرين، كفى بك ولياً وكفى بك نصيراً يا خير الناصرين يا ارحم الراحمين، ربنا اغفرلنا ذنوبنا واسرافنا في امرنا وثبت اقدامنا وانصرنا على القوم الكافرين۔

ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذين سبقونا بالايمان ولاتجعل في قلوبنا غلاً للذين آمنوا ربنا انك رؤوف رحيم، ربنا لاتزغ قلوبنا بعداذهديتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك انت الوهاب، رب توفنا مسلمين والحقنا بالصالحين غيرخزايا ولانادمين ولامفتونين، برحمتك يا ارحم الراحمين۔

وصل وسلم اللهم على نبيك سيدنا محمدالصادق الأمين وعلى آله واصحابه واتباعه أجمعين.

نزول قرآن کا مقصد اور حاملین قرآن کی ذمہ داریاں (۱)

حضرات! اس جمعیۃ الحفاظ کے جلسے میں شریک ہونا سعادت بھی ہے اور ایک طرح کی عبادت بھی، اللہ تعالیٰ کے کلام سے تعلق رکھنے والی ہر چیز خواہ وہ حفظ ہو یا تجوید، تفسیر ہو، یا قرآن مجید کی تلاوت ـــــ بڑی معزز اور مکرم چیز ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ساتھ میں آپ کے منصب نبوت کے فرائض اور اس کی ذمہ داری کے سلسلے میں فرمایا: هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (الجمعہ) ترجمہ:- وہ پاک ذات ہے جس نے کہ ان پڑھوں میں ایک ایسا پیغمبر مبعوث فرمایا، جو ان کو قرآن مجید کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کی تربیت فرماتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، اگرچہ وہ اس سے پہلے بڑی کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

منصب نبوت اور اس کا کام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب نبوت کے چار شعبے ہیں جو گویا فرائض چہارگانہ ہیں:-

---

(۱) حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ کی یہ اہم تقریر جو دورۂ برما ۱۹۶۰ء میں جمعیۃ الحفاظ کے ایک جلسے میں کی گئی، اور "تعمیر حیات" ندوۃ العلماء لکھنؤ کے شمارہ ۱۰ مئی، ۲۵ مئی اور ۱۰ جون ۱۹۶۶ء کو قسط وار شائع ہوئی، تحفۂ برما کے قارئین کی نذر کی جارہی ہے، افسوس کہ پہلے ایڈیشن میں شائع نہ کی جا سکی۔ (مرتب)

تلاوت

پہلا فریضہ اور پہلا شعبہ ہے تلاوت آیات، قرآن مجید کی آیت کو پڑھ کر سنا دینا، یہ بھی اتنی اہم چیز اور ایسا بلند فریضہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت کے شعبوں کے سلسلے میں سب سے پہلے اسی کو ذکر فرمایا ہے۔

تزکیہ نفس

دوسرا فریضہ ہے یزکیھم، نفوس کی تربیت کرنا، نفوس کو مہذب بنانا، اخلاقِ رذیلہ نکالنا اور اخلاقِ فاضلہ پیدا کرنا اور وہ صفت پیدا کرنا جس کا قرآن مجید میں دوسری جگہ ذکر ہے:۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيْمَانَ وَزَيَّنَهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ، أُولٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ۔

ترجمہ:- لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اس کو تمھارے دلوں میں مرغوب کر دیا، اور کفر اور فسق اور عصیان سے تم کو نفرت دے دی، ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل اور انعام سے راہ راست پر ہیں، اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔

نزولِ قرآن کا اہم ترین مقصد

قرآن مجید کے نزول کا مطلب یہ نہیں کہ وہ الفاظ اور حروف کی شکل میں کتابوں میں اور اس کے بعد سینوں میں محفوظ ہو جائے، لوگ اس کو پڑھ سکیں اور اس کو سنا سکیں اور اس کو یاد کریں اور پڑھتے رہیں، بلکہ نزول قرآن کا اہم ترین مقصد یہ ہے کہ عقائد کی اصلاح ہو اور قلوب اور نفوس کی اصلاح ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں فریضوں کی تکمیل فرمائی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی اس محنت کا زندہ

تقویت کا باعث تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت محبوب تھی تو اس کی تلافی اور کفارے کے لیے انھوں نے ایسی ہستی کو انتخاب کیا جو سب سے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک مبغوض تھی اور جو گویا نبوت کی حریف، ایک وہ شخص تھا جو نبوت کا بہت بڑا حامی اور مددگار تھا، پھر ایک شخص تھا جو اس نبوت کے مقابلے میں سینہ تان کر کے آیا تھا اور منصب نبوت کا گویا رقیب اور حریف تھا، انھوں نے گناہ کے کفارے کے لیے جو بہترین انتخاب ہو سکتا تھا وہ انتخاب کیا، یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک ان سے خوش ہوئی ہوگی، یہ سب ان کی ایمانی قوت کا نتیجہ ہے، یہ تو فوری انقلاب کی چند مثالیں ہیں، باقی صحابۂ کرام کے اندر جو تبدیلی تربیت اور صحبت سے پیدا ہوئی، اس سے وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ گئے، اخلاق پستی سے، اعمال کی پستی سے، عقائد کی تاریکی سے اور جاہلیت سے روحانیت اور ایمان اور اخلاق اور تربیت اور علم کے بلند مقام تک پہنچ گئے۔

تعلیم کتاب

تیسرا کام تعلیم کتاب وحکمت یعنی کتاب کی تعلیم دینا ہے، پہلے قاری تلاوت کرتا ہے اور پھر اس کے بعد تزکیہ کا عمل کرتا ہے پھر تعلیم کتاب وحکمت کا کام انجام دیتا ہے، اس میں قرآن مجید کی تفسیر، اس کے حقائق کا بیان، اس کے علوم کا اظہار اور مقاصد قرآن اور مقاصد حق کی تشریح وتفصیل سب شامل ہے، یہ ہے یعلمھم الکتاب والحکمۃ، پھر اس کی بھی ضرورت ہے کہ قرآن مجید کے طالب علموں میں اور اس کے عاملین میں اور سامعین میں تفقہ پیدا کیا جائے، اور یہ وہ چیز ہے جس کی طرف اشارہ ہے کہ من یرد اللّٰہ بہ خیراً یُفَقِّھْہُ فی الدین، اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔

یہ درحقیقت حاملِ قرآن کے فرائض چہارگانہ اور حامل قرآن کی ذمہ داریاں اور اس کے کمالات اور اس کی گویا سیرت ہے، اس کے بعد صحابۂ کرامؓ میں جو علماء تھے اور جن کے علم کی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعریف کی، جن حضرات کی طرف آپ نے اشارہ فرمایا اور ان کی طرف امت کو رجوع ہونے کا مشورہ دیا، مثلاً حضرت ابی بن کعبؓ آپ نے ان کی بہت تعریف کی ہے اور ان کی فضیلت بیان کی ہے، قرآن مجید سے ان کو خاص مناسبت تھی، حضرت زید بن ثابتؓ کاتب وحی تھے اور قرآن مجید کا بہت بڑا علم رکھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان کے قرآن مجید پڑھنے کی آپ نے تعریف فرمائی ہے، حضرت علی بن ابی طالبؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ ان کے متعلق آپؐ نے دعا فرمائی: اللّٰھم علمه الکتاب وفقهه فی الدین، اے اللہ! ان کو کتاب کا علم عطا فرما اور دین کی سمجھ دے، یہ حضرات بھی ان چاروں صفات کے جامع تھے، یعنی قرآن مجید کے قاری بھی تھے اور معلم الکتاب بھی تھے اور معلم حکمت بھی اور مزکی بھی تھے، یہ چاروں شعبے ان حضرات میں جمع تھے، پھر تابعین کا دور آیا، اس میں کثرت سے ایسے لوگ تھے کہ جو ان چاروں چیزوں کے جامع تھے، مثال کے طور پر حضرت حسن بصریؒ کا نام لے سکتا ہوں کہ وہ ان چاروں شعبوں کے جامع تھے اور حضرت سعید بن جبیر اور محمد ابن سیرین اور حضرت سعید بن مسیب، یہ وہ فضلائے تابعین تھے جو ان چاروں کمالات کے مظہر اور ان چاروں شعبوں کے جامع تھے، تبع تابعین میں بھی اسی طرح بے شمار ہستیاں ایسی ہوئیں جو ان چاروں چیزوں کی جامع تھیں، تابعین اور تبع تابعین میں ائمۂ اربعہ، اور محدثین وفقہاء اور زہاد وصوفیاء جیسے حضرت عبداللہ بن المبارک، حضرت سفیان ثوری، حضرت فضیل بن عیاض، حضرت معروف کرخی ...... اور امام احمد بن حنبلؒ اور اسی طریقے سے

ثبوت تھے، ان کے نفوس کیسے مصفیٰ تھے، ان کی کیسی تربیت ہو چکی تھی کہ کفر و شرک کی نفرت ان کے دلوں میں بیٹھ چکی تھی اور ایمان کی محبت پیوست ہو چکی تھی، ایثار کا مادہ ان کے اندر پیوست ہو چکا تھا، عبادت کا ذوق ان پر غالب آ چکا تھا، خدمت خلق کا جذبہ ان کے اندر نمایاں تھا، ان کے اندر سے نفسانیت کا کانٹا نکل چکا تھا، حُبِّ دنیا ان کے اندر سے بالکل ناپید ہو چکی تھی، حب جاہ کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ صحابہ کرام میں سے ایک ایک صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب تزکیہ اور آپ کے تزکیے کے کارنامے کا زندہ ثبوت تھا، ضرار بن عمرو رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، کہتے ہیں کہ میں شرک کی حالت میں اس نیت سے نکلا کہ میں وہ کام کروں جو قریش نہیں کر سکے، یعنی معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود گرامی پر دست درازی کروں، موقع اچھا تھا، آپ تنہا طواف کر رہے تھے، میں نے بھی طواف کرنا شروع کر دیا، اس فکر میں رہا کہ ذرا کچھ موقع ہو کہ آپ کا اور میرا سامنا ہو جائے تو میں اپنا کام کروں، آپ نے مجھ کو دیکھ کر بلایا، میں حاضر ہوا، آپ نے فرمایا: ضرار تمھارا کیا ارادہ تھا، میں نے کہا: کچھ نہیں، میں طواف کر رہا ہوں، آپ ہنسے اور آپ نے میرے سینے پر ہاتھ رکھا، خدا کی قسم آپ نے ہاتھ نہیں اٹھایا تھا کہ گویا سینے کی اندر کی ساری آلائش نکل گئی، اس کے بعد وہاں سے چلا آیا، ایک عورت جس کے یہاں جلسہ ہوا کرتا تھا اور محفل گرم ہوتی تھی، اور اس میں داستان آرائی وقصہ گوئی ہوتی تھی، میں ایک رند مشرب تھا، اس عورت نے مجھے دیکھا تو آواز دی، میں نے کہا اب کچھ نہیں ہو سکتا، اب میں مسلمان ہو گیا ہوں، ایسی فوری تبدیلی کے واقعات بھی بہت ہیں۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ پر تین دور گزرے ہیں، ایک دور مجھ پر ایسا گزرا ہے کہ روئے زمین پر کوئی ہستی آپ سے بڑھ کر مبغوض نہ تھی، معاذ اللہ، اگر اس وقت مجھے موقع مل جاتا تو میں اپنی عاقبت خراب کر لیتا، اللہ نے فضل

فرمایا، موقع ہی نہ ملا، اس کے بعد دوسرا دور مجھ پر ایسا گزرا کہ روئے زمین پر کوئی ہستی آپ سے بڑھ کر محبوب نہ تھی، خدا کی قسم میں آپ کو آنکھ بھر دیکھ بھی نہیں سکتا تھا، اگر مجھ سے کوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ پوچھے تو میں آج بیان نہیں کرسکتا، اس لیے کہ میری نظر آپ کے چہرہ مبارک پر جمتی ہی نہیں تھی، اور مجھ میں آپ کو دیکھنے کی تاب ہی نہیں تھی، جب میں نے آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا اور بیعت کی تو میں اپنا ہاتھ نکالتا نہیں تھا، آپ نے فرمایا کہ کیوں میرا ہاتھ نہیں چھوڑتے؟ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ فرمایئے کہ میرے گزشتہ گناہوں کا کیا ہوگا، کہ میں تو بہت سیاہ کار انسان ہوں، آپ نے فرمایا تم کو معلوم نہیں کہ اسلام اپنے ماقبل کو بالکل ختم کردیتا ہے، ایسے بہت سے واقعات اور بھی ہیں، انہی واقعات میں حضرت وحشیؓ کا واقعہ ہے، وحشی جنھوں نے حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب، اللہ کے شیر کو خود شہید کیا تھا ان کے ساتھ جو سلوک کیا گیا وہ آپ کو معلوم ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب وہ آئے اور انھوں نے بیعت کا ارادہ کیا، آپ نے ان کی بیعت قبول کی، انھوں نے کلمہ پڑھا، ایمان لائے، آپ نے فرمایا: اے وحشی! اگر تم میرے سامنے بار بار نہ آؤ تو اچھا ہوگا، اس لیے کہ مجھ کو اپنے چچا یاد آجاتے ہیں، یہ قدرتی بات بھی ہے اور بہت لطیف جذبہ اور احساس اور اعلیٰ درجہ کی انسانیت بھی، لیکن انھوں نے جو کلمہ پڑھا اور آپ کے ہاتھ پر اسلام لائے، اس نے ان کے اندر ایسا انقلاب پیدا کردیا، ایسی روحانیت پیدا کردی، ایسی ایمانی طاقت پیدا کردی، جس پر آج بڑے بڑے اولیاء اللہ رشک کررہے ہیں، یہی وحشی ہیں جنھوں نے مسیلمہ کذاب کو قتل کیا، میں جب اس واقعے کو پڑھتا ہوں تو کہتا ہوں کہ حضرت وحشی کی بھی نگاہِ انتخاب کو داد دینی چاہیے کہ انھوں نے ایک ایسی ہستی سے اسلام کو اور مسلمانوں کو محروم کیا تھا جو اسلام کے لیے

ذمہ داری ہے، اس کو یاد کرنے کی اور اس کو یاد رکھنے کی، اس پر عمل کرنے کی، یہی وجہ تھی کہ یمامہ جنگ پیش آئی جو اسلام کی شدید ترین جنگوں میں سے ایک ہے، جس میں زور کا رن پڑا اور گھمسان کی لڑائی ہوئی اور اس وقت کشتوں کے پشتے لگ گئے، بس ایک موت کا بازار گرم تھا، اور کسی طریقے کا فیصلہ نہیں ہوتا تھا، میدانِ جنگ میں ایک صحابی نے للکارا اور کہا کہ اے حاملینِ قرآن اور وہ لوگ جن کے سینے میں قرآن ہے، آج قرآن پر عمل کر کے دکھاؤ اور قرآن پر قربان ہو جاؤ، اس لیے کہ اگر یہ اقتدار کا فتنہ نہ ختم ہوا تو قرآن مجید کا باقی رہنا مشکل ہے، چنانچہ جو حفاظ تھے وہ آگے بڑھے اور فیصلہ کر لیا اور اس قدر بے جگری کے ساتھ لڑے اور اس طرح پروانوں کی طرح نثار ہوئے کہ اس معرکہ کا فیصلہ ہو گیا، اس طریقے پر حاملین قرآن کا دائرہ بھی وسیع ہوا، اور ان کے اخلاق کا معیار، تعلق باللہ کا معیار بھی بلند ہونا چاہیے، میں نے آپ کے سامنے ایک آیت پڑھی تھی:

فِیْ صُحُفٍ مُّکَرَّمَۃٍ مَّرْفُوْعَۃٍ مُّطَهَّرَۃٍ، بِاَیْدِیْ سَفَرَۃٍ، کِرَامٍ بَرَرَۃٍ، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قرآن مجید بڑی عزت والے صحیفوں میں ہے، مَرْفُوْعَۃٍ مُّطَهَّرَۃٍ، اونچے اور پاک کیے ہوئے ہیں، بِاَیْدِیْ سَفَرَۃٍ، ایسے سفیروں کے ہاتھوں میں اور ایسے کاتبوں کے ہاتھوں میں، کِرَامٍ بَرَرَۃٍ جو بڑے شریف ہیں، بڑے پاکباز ہیں، بڑے اللہ والے ہیں، بڑے نیک ہیں، معلوم ہوا کہ حاملین قرآن کی یہ تصویر کرام بررۃ ہونا چاہیے، حاملین قرآن کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فرشتوں کی صف ہے، بلکہ معلوم ہوا کہ جو قرآن مجید کو اٹھانے کا اور سینے میں رکھنے کا حوصلہ کرے، اس کو ایسا بننا چاہیے اور لَا یَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ، اس آیت کی تفسیر میں بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ معنی نہیں کہ وضو کر کے قرآن شریف پڑھے بلکہ لا یمسہ ...... الخ، اس میں دو مسلک

ہیں: ایک مطلب تو یہ ہے کہ یہ انشاء ہے کہ اس کو نہ چھوئیں مگر پاک آدمی، کچھ کہتے ہیں کہ یہ خبر ہے نہیں چھوتے ہیں مگر پاک لوگ، تو وہ خبر ہو یا انشاء ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ اس قرآن مجید کو مطہر ہی چھوئیں تو اس سے لوگوں نے استدلال کیا ہے اور یہ مسئلہ ثابت کیا ہے کہ جو قرآن مجید کو سینے میں رکھے اور اس کے اخلاق عوام کی طرح ہوں بلکہ اس سے بھی گرے ہوئے ہوں، دنیا ان کے نگاہوں میں پیوست ہو، نگاہیں پاک نہ ہوں، دل پاک نہ ہوں، دماغ پاک نہ ہوں، اخلاق رزیلہ پورے طریقے سے دل کے اندر اور جسیعت کے اندر گھس چکے ہوں، قرآن مجید سے کوئی مناسبت نہ ہو، خشیت نہ ہو، رقت نہ ہو، تقویٰ نہ ہو، بڑے ڈرنے کی بات ہے۔

صحابۂ کرامؓ میں سے جو لوگ قرآن مجید کے حافظ ہوتے تھے اور جن میں قرآن مجید کا علم خاص ہوتا تھا، وہ ممتاز اور اپنے اخلاق وتقویٰ اور عبادت میں دوسروں سے بڑھے ہوئے ہوتے تھے، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب میدانِ احد میں شہداء کی لاشوں کو دفن کرنے لگے تو قرآن مجید جس کو زیادہ یاد ہوتا اس کو پہلے لائن میں رکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے یؤمکم أقرأکم، امامت وہ کرے جو زیادہ پڑھا ہوا ہو، تو اس کے معنی یہ نہیں کہ حافظ ... جس کو قرآن مجید کا علم زیادہ ہو، میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ حفاظ کی بہت بڑی ذمہ داری ہے۔

دیکھئے جس شخص کو کوئی بڑی چیز ملتی ہے وہ چھوٹی چیزوں سے بلند ہو جاتا ہے، پھر چھوٹی چیزوں کی طرف اس کی نگاہ نہیں جاتی، میں نے ایک مرتبہ اپنے مدرسے میں ایک قصہ سنایا، وہ قصہ آپ کو بھی سناتا ہوں، بڑا عبرت ناک قصہ ہے اور بڑے کام کی بات ہے، آپ نے یہ قصہ بارہا سنا ہوگا، مگر اس سے جو نتیجہ میں نے طلباء کے سامنے نکالا وہ نتیجہ بڑا قیمتی ہے۔

حضرت جنید بغدادی، یہ سب حضرات ان چاروں چیزوں کے جامع تھے۔

پھر انحطاط کا دوسرا دور شروع ہوا، اور شعبوں کی تقسیم ہونے لگی، نتیجہ یہ نکلا کہ امت میں مختلف گروہ بن گئے، پھر ان گروہوں نے ایک ایک شعبہ سنبھال لیا، بعض نے تلاوت آیات کو اپنا شعار بنالیا، انھوں نے قرآن مجید کو حفظ کیا اور اس کی تجوید اور مخارج کی تصحیح اور ان کا اتقان کے ساتھ پڑھنا انھوں نے اپنا فرض سمجھا، اللہ تعالیٰ امت کی طرف سے ان کو جزائے خیر دے کہ بہت بڑا فرض کفایہ ادا کیا اور قرآن مجید کے نطق کو اور طریق ادا کو محفوظ کر دیا، جس طرح اس کے حروف کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمع کیا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی نقلیں کرا کے عالم اسلام میں بھیج دیں، کسی نے نقطے لگائے، کسی نے اس کے حروف میں کچھ اور ترقی کی، سب سے بڑھ کر یہ کارنامہ ہے جو انھوں نے قرآن مجید کے نطق کو، اور ادا کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح ادا کیا تھا اور صحابہ کرام کس طرح ادا کرتے تھے، اس کو محفوظ کیا، یہ بڑا کارنامہ ہے جو قابل اعتراف اور قابل شکریہ ہے، وہ دعا کے مستحق ہیں، جنھوں نے یہ کام انجام دیا۔

بعض حضرات نے تعلیم کتاب اور حکمت کو اپنا شعار بنایا، وہ علمائے ظاہر کی جماعت ہے جنھوں نے قرآن وحدیث کے رموز کو بیان کیا، ان کے مضامین کی اشاعت کی اور ان کے مشکلات کی تشریح کی۔

تربیت وتزکیہ

بعض حضرات نے "تزکیہ" اپنے ذمہ لیا، وہ حضرات صوفیائے کرام ہیں جنھوں نے اپنے مریدین کی اور جو لوگ ان کی طرف رجوع کرتے تھے ان کے نفوس کی اصلاح وتربیت کا کام اپنے ذمے لیا اور سلوک کو، تہذیب واخلاق کو اصلاح باطن کو ایک

فن بنادیا اور عظیم الشان بنادیا، ان کی تعداد خدا کے فضل سے اتنی بڑی ہے کہ ان کا ذکر کرنا مشکل ہے، مثال کے طور پر سیدنا حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور خواجہ بہاء الدین نقشبند اور خواجہ معین الدین چشتی اور حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہم۔

تجدید سلوک

پھر ان کے بعد جنھوں نے فن سلوک میں خاص طور پر تجدید کا کام کیا، اپنے زمانے کی پھیلی ہوئی بدعتوں کو اور تحریفات کو انھوں نے دور کیا، اور اپنے زمانے کی طبیعتوں کا لحاظ کر کے انھوں نے صب نبوی کی تصدیق کی، ان میں خاص طور پر حضرت شیخ امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ اور ان کے بعد پھر حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہؒ اور امیر المومنین حضرت سید احمد شہیدؒ، شیخ الشیوخ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ، یہ وہ حضرات ہیں جنھوں نے فن سلوک کی تجدید کا کام انجام دیا، اور اپنے زمانے کے مطابق ان کو بتایا اور ان کے فائدے کو عام کیا، مجھے آپ کی خدمت میں اس تقریر سے جو یہ عرض کرنا ہے کہ حاملین قرآن کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟

حاملِ قرآن کی ذمہ داریاں

اصل میں حاملِ قرآن کا کام صرف تلاوت اور اس کو پڑھ کر سنا دینا، صحیح طور پر یاد کر لینا اور اس کو صحت کے ساتھ ادا کر دینا اور کسی مجلس میں، کسی جلسے میں قرآن مجید کو پڑھ دینا نہیں، حاملِ قرآن کی بہت بڑی ذمہ داری ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اس شخص کو عذاب دیا جائے گا جس کو اللہ نے قرآن مجید کا علم دیا، وہ رات کو سویا اور سوتا رہا، یہاں تک کہ صبح کی نماز قضا ہوگئی۔ قرآن مجید کی بہت بڑی

اور تراویح کا تھوڑا تھوڑا معاوضہ، اور معاوضہ بھی لینا، یہ ساری چیزیں آپ کی نظر سے ایسی ہی گر جائیں گی کہ اگر آپ اپنی حیثیت پہچان لیں، جس طرح سے وہ شخص جس نے صاف کہہ دیا کہ تمھیں نہیں جانتا کہ تم نے امانت کب رکھوائی تھی، اس پر اقرار کر لیا کہ ہاں ہاں تم نے رکھوائی تھی اور پھر دے دیا، اسی طرح سے آپ یہ سمجھ لیں کہ آپ کے پاس کیا دولت ہے تو پھر کبھی کسی گناہ کی طرف کبھی کسی ادنیٰ کام کی طرف بھی کسی پست خیالی کی طرف آپ کا ذہن نہیں جا سکتا، آپ یہ سمجھ لیں کہ آپ کے سینے میں کیا ہے۔

برخود نظر کشا ز تہی دامنی مرنج — در سینۂ تو ماہ تمامے نہادہ اند

شاعر نے تو چاند کو خطاب کر کے کہا، ہلال جب باریک ہوتا ہے تو بے چارہ حقیر معلوم ہوتا ہے تب شاعر نے ..... اپنے اوپر اپنے مستقبل پر نظر ڈال اور اپنی تہی دامنی پر رنج نہ کر کہ تو خالی ہے، بالکل ایک بال کی طرح۔

در سینۂ تو ماہ تمامے نہادہ اند

تیرے سینے میں چودھویں کا چاند سو رہا ہے، چودھویں کے چاند کی کیا حقیقت ہے اس دولت کے سامنے جو آپ لیے بیٹھے ہیں، آپ کے سینے میں اللہ کا کلام ہے، سرِ الٰہی اور علمِ الٰہی ہے، علمِ اعظم ہے، لوگ اسمِ اعظم کے پیچھے پڑتے ہیں، آپ کے سینے میں علمِ اعظم ہے، اسی علمِ اعظم میں اسمِ اعظم بھی ہے، آپ تو حاملِ علمِ اعظم، اسمِ اعظم ہیں، اگر آپ اپنی حیثیت سمجھ لیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی فضیلت میں فرمایا: ہر حرف کے بدلے میں ۱۰ نیکیاں ملیں گی اور میں نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے، میم ایک حرف ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَہٗ (فضائل دیکھ لیجیے

کہ قرآن کے کیسے کیسے فضائل ہیں، اگر حافظ تیس پارے پڑھے اور رمضان المبارک جیسے مقدس مہینے میں پڑھے اور مسجد میں رمضان کی راتوں میں پڑھے اور اس کے بعد سو، دو سو، پانچ سو روپے! حیرت کی بات ہے کیسے ایک انسان اس پر تیار ہو سکتا ہے کہ اقلیم کی سلطنت ملتی ہو، اس پر بھی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے۔

ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ ایک روز بہت جوش میں آ کر کہنے لگے کہ خدا کی قسم اگر کوئی پورا ایک ملک پیش کرے اور کہے کہ پوری سلطنت لے لو اور ایک مرتبہ اللہ کہنے کا ثواب مجھے دے دو، واللہ میں راضی نہ ہوں گا، اور قرآن مجید تو اللہ کے ذکر سے بھرا پڑا ہے، ایک ایک حرف اللہ کا کلام ہے اور اس عالم میں سب سے بڑی قیمتی چیز جس کا براہِ راست اللہ سے تعلق ہے قرآن مجید ہے جو سب سے بڑی چیز اس آسمان کے نیچے ہے وہ قرآن شریف ہے، اس لیے کہ یہ اللہ کی نسبت ہے، اللہ کا کلام ہے، کلام قدیم ہے، آپ کو معلوم ہے کہ اس کو کلام قدیم کہتے ہیں یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ متکلم ہے، اس کا کلام ہے، اس سے بڑھ کر تو کوئی چیز ہو ہی نہیں سکتی، اس لیے اپنی قدر خود کرنی چاہیے اور سمجھنا چاہیے کہ آپ کے پاس کیا دولت ہے، اگر آپ کو پتہ چل جائے کہ آپ کے سینے میں کیا دولت ہے تو آپ کے قدم زمین پر نہ پڑیں، ہوا میں اڑنا چاہیں، اگر آپ کو پتہ چل جائے کہ آپ کے پاس کیا دولت ہے، کسی امیر کی کسی دولت کی وقعت آپ کے دل میں نہ ہوتی، اگر ہوتی تو ہزار بار استغفار کرتے، ارے میرے دل میں میرے سینے میں اللہ کا پورا کلام ہے، پورے تیس پارے۔ میں اس دولت مند کو اور اس تاجر کو، اس حاکم کو اس وزیر کو معزز سمجھتا ہوں، جس کے سینے میں تقوی ہو، لیکن اگر تم نے اس کے عہدے کے اعتبار سے، دولت کے اعتبار سے معزز سمجھا تو اس کلام الٰہی کی بہت بڑی ناقدری کی جو تمھارے سینے کے اندر ہے، میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ اس کی قدر کیجیے اور اس سے

عبرت آموز واقعہ

میں نے بچپن میں ایک قصہ سنا تھا کہ ایک شخص نے کہیں سفر پر جاتے ہوئے شہر کے کسی معزز آدمی کے یہاں اپنی امانت رکھوادی، اچھی خاصی رقم تھی کئی ہزار روپے کی، اور کہا کہ میں سفر پر جارہا ہوں، وہاں سے آکر لے لوں گا، انھوں نے کہا کہ اچھا رکھ دو، اللہ مالک ہے، آنا تو پھر لے لینا، وہ بیچارہ سفر کرکے آیا، عرصے کے بعد اس نے اس سے جاکر کہا کہ ہماری امانت دیجئے تو وہ بالکل انجان بن گئے، کہنے لگے کہ میں تمھیں پہچانتا نہیں، تم کون ہو، اور کب آئے تھے اور کب رکھوایا تھا؟ بے چارہ حیران ہوگیا، شریف سمجھ کر نہ اس سے کوئی لکھا پڑھی کی تھی، نہ دستاویز لکھائی تھی، اب وہ جتنا یاددلاتا وہ بھولتے جاتے، یہاں تک کہ ناراض ہوگئے اور کہنے لگے کہ ایک شریف آدمی کو بدنام کرتے ہوئے تمھیں شرم نہیں آتی، تم مجھے چور بناتے ہو، اس کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا، اس نے جاکر قاضی سے شکایت کی، قاضی صاحب بہت ہی سمجھدار آدمی تھے اور ماہر نفسیات تھے، انھوں نے کہا کہ اس کا علاج میں کروں گا، تم کسی سے ذکر نہ کرنا، تھوڑے دنوں کے بعد ایک شخص کو بھیجا اور کہلوایا کہ آپ قاضی بننے والے ہیں، وہ سن کر بہت خوش ہوئے، بڑا اعزاز تھا، چند دن کے بعد اس شخص سے کہا کہ جاکر اپنی امانت مانگو، وہ گیا اور اس کہا: شاید آپ کو یاد آجائے کہ میں فلاں وقت آیا تھا..... کہا: ہاں بالکل مجھے یاد آگیا اور تمھارے جانے کے بعد ہی مجھے یاد آگیا تھا، اور میں منتظر تھا کہ تمھارے گھر کا پتا مجھے معلوم نہیں تھا، بہت اچھا کیا کہ تم آگئے، تمھاری امانت وہاں رکھی ہوئی ہے، جاکر لے لو اور جیسے تم رکھ کر گئے تھے ویسے ہی رکھی ہوئی ہے، وہ گیا اور لے آیا، اس کو بڑا تعجب ہوا اور ان دو باتوں میں تعلق سمجھ میں نہ آیا۔

بڑی دولت کے آگے چھوٹی دولت کی کوئی حقیقت نہیں

اس نے قاضی صاحب سے کہا جو قاضی القضاۃ تھے، خیر میری امانت مجھ کو مل گئی لیکن یہ بتایئے کہ یہ انتظام آپ نے کیسے کیا اور انھوں نے اقرار کیسے کیا اور پھر انکار کے بعد اقرار! قاضی صاحب نے کہا کہ بھائی یہ بات ہے کہ ان کو اتنی بڑی چیز ملنے والی تھی۔

اس اعلیٰ چیز سے اس گراوٹ کا کوئی جوڑ نہ تھا، جن کو قضاءت مل رہی ہو یا وزارت مل رہی ہو تو وہ کسی کے پانچ سو روپے کیا مارے گا، اب ان کے ذہن کی ایک دم سے سطح بلند ہوگئی تو وہ سوچنے لگے کہ میں قاضی ہوں، اب قاضی کی حیثیت سے معاملہ کو سوچنے لگے تو یہ حرکت ان کو بہت گری ہوئی معلوم ہوئی تو انھوں نے کہا کہ پانچ سو کی کیا حقیقت ہے؟

تو میں نے اپنے طلبہ سے کہا کہ تم یہ سمجھو کہ تم عالم ہونے والے ہو، یہ چھوٹی چھوٹی باتیں اتنی گری ہوئی معلوم ہوں گی کہ تمھیں ان کے تصور کرنے سے تکلیف ہوگی کہ ہم عالم ہوکر ایسی بات کر سکتے ہیں، ہمارے سینے میں جو اللہ کا کلام ہے، حدیث ہے، بخاری شریف ہے اور حضور کا کلام ہے تو ہم ایسی اوچھی اور گری ہوئی بازاری باتیں کر سکتے ہیں؟

قرآن مجید کی دولت سب سے بڑی دولت ہے

یہی میں آپ سے کہتا ہوں کہ جب آپ یہ سوچ لیں کہ آپ کے سینے میں اللہ کا کلام ہے تو پھر آپ میں جو کم درجہ کی باتیں ہیں، کوئی بھی گناہ، کوئی بھی گراوٹ کی بات، کوئی بھی سوقیت، کوئی بھی اوچھی حرکت، جیسے مال کی محبت، عہدے کی محبت۔

ان کے رونگٹے...... کھڑے ہو جاتے ہیں، بال کھڑے ہو جاتے ہیں...... دو چیزیں پیدا کرتی ہیں، ایک عظمت کلام کی اور صاحب کلام کی، دوسرے ثواب کی نیت اور ثواب کا یقین کہ ثواب مل رہا ہے، بس یہ دو چیزیں ہیں جس کی وجہ سے ایک شخص اعلیٰ مقامات ولایت تک پہنچ جاتا ہے، یہ تو بالکل صحیح ہے۔

قربِ الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ قرآن کریم ہے

بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ سلوک کا آخری درجہ قرآن سے اور نوافل میں قرآن مجید پڑھنے سے حاصل ہوتا ہے، جب سالک تمام مقامات طے کر لیتا ہے جو ذکر سے طے ہوتے ہیں، اس کے بعد جو آخری درجہ ہے قربِ الٰہی کا، وہ کلام الٰہی کی کثرتِ تلاوت سے حاصل ہوتا ہے (۱)۔ حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحب گنج

(۱) قرآن مجید کی تلاوت اور درود شریف کی کثرت یہ دو ایسے عمل ہیں جو اس وقت بھی جاری رکھے جاتے ہیں جب دوسرے اعمال واشغال ذکر وغیرہ میں تخفیف کرادی جاتی ہے، اور بعض اعمال تو موقوف کرادیے جاتے ہیں، لیکن فرائض کی حیثیت اپنی جگہ اسی طرح قائم رہتی ہے، اور قربِ الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ یہی فرائض ہیں، اور نوافل ان کے مکملات ہیں، جیسا کہ حدیث میں بھی آتا ہے، اور بخاری کی روایت ہے، حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے
من عادیٰ لي ولیاً فقد آذنته بالحرب، وماتقرب إليه عبد بشيء أحب إليّ مما افترضت عليه، وما يزال عبادي يتقرب إليّ بالنوافل حتى أحبه، فإذا أحببته كنت سمعه الذي يسمع به وبصره الذي يبصر به ويده التي يبطش بها، رجله التي يمشي بها، وإن سألني أعطيته ولئن استعاذني لأعيذنه (بخاری باب التواضع)

فرائض میں سب سے اہم چیز نماز دین اسلام کا رکن اول ہے، اور تلاوت اس کا ایسا جز ہے کہ جس کے بغیر نماز نہیں ہوتی، اور سورۂ فاتحہ کے تعلق سے حدیث شریف میں آتا ہے لا صلاة إلا بفاتحة الکتاب، نماز کے علاوہ بھی تلاوت کا عمل بڑی ترقیات کا ذریعہ ہے جس کی طرف حضرت مولاناؒ نے اشارہ فرمایا ہے، اور اس حدیث سے مقامات قربِ الٰہی کے فرض ونفل کے اعمال کے نتائج واثرات کھلے طور پر ظاہر ہوتے ہیں۔ (مرتب)

مرادآبادی فرماتے ہیں کہ جو قرب قرأت قرآن کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہے، اس قرب کو کوئی اور نہیں پہنچ سکتا، اور یہ قرب استحضار سے، عظمت سے اور ثواب کے یقین سے حاصل ہوتا ہے، پڑھتے جایئے یقین کرتے جایئے کہ ثواب مل رہا ہے، ہر حرف پر دس دس نیکیاں ملیں گی، بس بھائیو! اگر اپنے اندر یہ صفت پیدا کرلیں تو قرآن مجید کی تلاوت میں روح پیدا ہو جائے۔

قرآن کو بطور پیشہ کے پڑھنا گناہ ہے

اور اگر اس کو پیشہ بنائیں تو اس سے بہت اچھا ہے کہ دنیا کو آدمی ذریعہ بنائے کسب معاش کا، قیامت کے دن وہ لوگ جو حلال روزی حاصل کرتے ہیں اور جائز طریقوں سے کاروبار کرتے تھے، ان دنیادار قاریوں، حافظوں اور عالموں سے بدرجہا آگے ہوں گے، جنھوں نے دین کو ذریعہ بنالیا تھا اپنا پیٹ بھرنے کا اور دنیا کمانے کا، تاجروں میں بکثرت اولیاء اللہ نکلیں گے جو سمجھتے تھے کہ ہم دنیادار ہیں، صرف بچوں کے پیٹ پالنے کے لیے اور اپنا پیٹ پالنے کے لیے ایک دھندھا کیا ہے اور اس میں ذکر کرتے تھے، نماز پڑھتے تھے، ڈرتے رہتے تھے، استغفار کرتے تھے، وہ کئی حافظوں اور عالموں سے بڑھ کر نکلیں گے جنھوں نے قرآن مجید اور علم حدیث کو صرف دنیا کمانے کا ذریعہ بنایا۔

قرآن سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے صحبت اور محنت ضروری ہے

اللہ تعالیٰ نے جہاں آپ کو یہ دولت عطا فرمائی ہے، اس میں روح بھی پیدا کردی اور خشیت بھی، اور تقویٰ بھی پیدا کردیا، اور یہ بات بغیر صحبت کے اور بغیر محنت

تمتع حاصل کیجئے، لطف لیجئے، یہ تو آپ کے پاس ایک باغ ہے، شیخ الاسلام حضرت حافظ امام ابن تیمیہؒ فرماتے تھے کہ میرا دشمن میرا کیا بگاڑیں گے، میری جنت تو میرے سینے میں ہے، وہ مجھ سے کیا چھین لیں گے، میں تو اپنی جنت لیے پھر رہا ہوں، اللہ کا کلام، اللہ کا علم یہ میرے سینے میں ہے، میرا باغ تو میرے ساتھ ہے، وہ مجھے کیا قید کریں گے، مجھے کہاں قید کریں گے! میں تو بالکل آزاد ہوں، جہاں بھی رہوں گا آزاد رہوں گا، اس باغ میں پھر تا رہوں گا۔ تردد وفکر، پریشانی و مایوسی اور زیادہ رنج وغم وغصے میں آپ کا معاملہ دوسروں سے الگ ہونا چاہیے، اس لیے کہ آپ کی حیثیت دوسروں سے الگ ہے، خود اس کی قدر کریں اور قرآن ایک کلام ہے اول سے آخر تک، نہ کم نہ زیادہ۔

روحانیت پیدا کرنے کے لیے عظمت اور اکتساب ضروری ہے

تو کیوں ایک شخص کے اندر اتنی روحانیت پیدا ہوتی ہے اور وہ اتنی ترقی کرتا ہے کہ روحانیت کی کوئی حد نہیں ہوتی اور ایک شخص وہ ترقی نہیں کرتا، فرق صرف عظمت اور اکتساب کا ہے، کلام اپنی جگہ عظیم ہے، لیکن اس کی عظمت کا استحضار بھی ضروری ہے، حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی بھوپالی مثالوں کے بادشاہ تھے، عجیب عجیب مثالیں دیتے تھے، وہ اس کی مثال دینے لگے، کہنے لگے کہ کسی چیز کا ہونا کچھ اور ہے اور اس کا علم حضوری کچھ اور چیز ہے، امیر محبوب علی خاں جو موجودہ نظام (حیدرآباد) کے والد تھے ان کی یہ عادت تھی کہ کبھی کبھی بھیس بدل کر وہ شہر میں گشت کیا کرتے تھے، تو ایک دن یوں ہی بھیس بدل کر شہر میں گشت کر رہے تھے، ایک تانگہ میں بیٹھ گئے، ان کے ساتھ دوسرے صاحب بھی تانگہ میں چلے جا رہے تھے، دونوں بات کرنے لگے کہ کہو بھئی، آجکل کیا خبر ہے! وہ دوسرے صاحب یہ جان نہ سکے کہ یہ کون صاحب ہیں،

اس نے کہا کہ آجکل گلی کوچے میں محبوب علی خاں صاحب جو ہمارے نواب صاحب ہیں ہر شخص ان کے منہ پر تھوک رہا ہے اور ہر شخص ان کو برا بھلا کہہ رہا ہے اور ایک قصہ جو اس زمانے میں مشہور ہوا تھا اس نے اس قصہ کا ذکر کیا کہ آجکل یہ مشہور ہو رہا ہے کہ وہ یہ کر رہے ہیں، اس نے جو کچھ منہ میں آیا کہنا شروع کیا اور محبوب علی خاں وہیں بیٹھے رہے، اس کے بعد انھوں نے بیڑی نکالی اور کہا، دیا سلائی ہے؟ اس نے کہا کہ جی ہاں ہے، رات کا اندھیرا تھا، اس نے جو ماچس جلائی تو پہچان لیا کہ یہی محبوب علی خاں ہیں، اس کا چہرہ اترنے لگا، منہ سے جھاگ آنے لگے کہ ابھی جن کے متعلق کہہ رہا تھا، یہی محبوب علی خاں ہیں، بس ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور رعشہ پیدا ہو گیا، انھوں نے کہا، گھبراؤ نہیں۔ بزرگانِ دین چھوٹے چھوٹے واقعات سے بڑے بڑے نتائج نکالتے ہیں، انھوں نے کہا کہ محبوب علی خاں تو وہی تھے جو آکر بیٹھے، اس وقت محبوب علی خاں صاحب تھے، جب پوچھا تب بھی محبوب علی خاں تھے اور جب اس نے کہا تب بھی محبوب علی خاں تھے اور اس وقت جب ماچس جلائی اور منہ دیکھا تو محبوب علی خاں بدل گئے تو اس پر ہیبت کیوں طاری ہوئی، وجود پہلے سے تھا، علم اب حاصل ہوا تو حالت ہی بدل گئی تو وجود قرآن تو وہی ہے جو آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے تھا جو آپ نے بچپن میں پڑھا، آپ نے جوانی میں پڑھا جو آپ بڑھاپے میں پڑھ رہے ہیں، جو آپ تہجد میں پڑھتے ہیں، جو آپ تلاوت کر رہے ہیں، وہی قرآن شریف ہے، اس میں ایک نقطہ کا اضافہ نہیں لیکن جو آپ کے اندر یہ بات پیدا ہوئی کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور کس اللہ کا کلام جس کی یہ صفت ہے اور کون سا کلام ہے جس کی یہ شان ہے، اب آپ کی کیفیت اور ہو گی۔

لَوْ أَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰى جَبَلٍ لَرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ...... اَللّٰهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ ـ

سے حاصل نہیں ہوتی، قرآن مجید کے یاد کرنے میں آپ نے جتنی محنت کی ہے اب اس یاد میں جان ڈالنے اور نورانیت پیدا کرنے کے لیے بھی آپ کو محنت کرنی چاہیے، اگر آپ نے قرآن مجید یاد کرنے میں دو برس لگائے تو سچی بات یہ ہے کہ اس میں چار برس لگائیے، اس لیے کہ وہ تو الفاظ ہیں جس کو کافر و مومن سب پڑھ سکتے ہیں اور بے شک کافر کو یاد ہونا مشکل ہے لیکن یاد ہوتا ہے، اب بھی مصر و شام میں کتنے غیر مسلم ایسے ہیں جن کو قرآن مجید یاد ہے، اگر یہاں واقف لوگ ہیں تو...... ان کے علم کے لیے کہتا ہوں کہ منجد کا مصنف جو عیسائی تھا وہ حافظ تھا، مصر و شام میں اب بھی قرآن مجید کے حافظ غیر مسلم موجود ہیں، تو ایسے حروف کو یاد کرنے میں جو کافر کو بھی دسترس ہو جاتی ہے ظاہری طور پر مقبول تو نہیں، اس کا یاد کرنا اس کے لیے اور زیادہ ذلت اور زحمت کا باعث ہے، لیکن بہر حال وہ اپنے حافظہ سے یاد کر لیتا ہے تو معانی قرآن علوم قرآن اور قرآن مجید کو دل میں راسخ کرنے کے لیے اپنے اخلاق کو صحیح کرنے کے لیے آپ کو وقت لگانے کی، محنت کرنے کی ضرورت ہے، میں اصرار اور تاکید کے ساتھ حفاظ اور جمعیۃ الحفاظ کے ارکان سے کہتا ہوں کہ وہ تبلیغ میں پورا حصہ لیں اور یہاں سے نظام الدین جائیں اور مولانا محمد یوسف صاحب مدظلہ (۱) کی تقریریں سنیں تب جا کر ان کو قرآن مجید کی عظمت کا اندازہ ہوگا اور وہاں محنتیں کریں، اور حضرت شیخ الحدیث کی خدمت اور مولانا رائے پوری کی خدمت میں حاضر ہوں، تب ان کو معلوم ہوگا کہ قرآن مجید کا قدر داں کس کو کہتے ہیں ــــــــ ان حضرات کے حالات دیکھ کر معلوم ہوگا، پھر جب وہ محنتیں کریں گے اور وقت لگائیں گے تب ان

(۱) حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی، امیر جماعت تبلیغ رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں جو اس وقت حیات تھے، اور انہی کا عہد امارت تھا، ان کی تقریریں ایمان بالغیب اور یقین و معرفت اور اعتماد علی اللہ کی پُر زور دعوت دیتی تھیں۔ (مرتب)

کو معلوم ہوگا کہ یہاں قرآن مجید پڑھنے میں کیا فرق ہے۔

ایک مرتبہ میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ (بانی جماعت تبلیغ) کے ساتھ ایک گاڑی میں بیٹھا ہوا جا رہا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت اس سفر میں قرآن مجید میں جو بات حاصل ہوتی ہے اور جو فہم و سمجھ آتی ہے وہ گھر پر نہیں تو حضرت بہت خوش ہوئے اور دوسروں کو مخاطب کیا کہ دیکھو مولانا کیا کہہ رہے ہیں، یہی سچی بات ہے، میدان جہاد میں جن لوگوں نے قرآن مجید کو سمجھا تھا اور خدمت کے میدانوں میں جنہوں نے قرآن مجید کو سمجھا تھا اور محنت کے میدانوں میں جنہوں نے قرآن مجید کو سمجھا تھا ان کی سمجھ تو ہمارے یہاں قرآن مجید پڑھنے سے حاصل نہیں ہو سکتی، اس لیے میں بہت پُرزور طریقہ پر آپ حضرات سے گزارش کرتا ہوں کہ اس کے لیے وقت نکالیں..... جہاں اتنی محنت کی ہے وہاں اس محنت سے اس کی تکمیل کریں، وقت لگا کر قرآن مجید سے مناسبت پیدا کریں۔

قرآن مجید سے مناسبت پیدا کرنے کے لیے مجاہدہ ضروری ہے، میں سمجھتا ہوں کہ جو کچھ میں نے عرض کیا ہے وہ آپ کی سمجھ میں آ گیا ہوگا، الحمد للہ آپ حافظ قرآن ہیں اور قرآن مجید کے طالب علم ہیں آپ کو شغف ہے تو میرے اشارات سے بھی آپ بہت کچھ نکال سکتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو قرآن مجید کی تعظیم کرنے کی اس پر عمل کرنے کی اور اس کا لطف لینے کی اور اس سے قرب حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وما علینا الا البلاغ

مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش

تالیف: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

☆ مسلم ممالک میں مغربیت اور اسلامیت کی کشمکش کی مستند تاریخ۔

☆ مغربیت کے رجحان کے آغاز وارتقاء کی کہانی۔

☆ مختلف ممالک میں تجدید کی تحریکوں کا تاریخی جائزہ ——— ان کے اسباب محرکات اور ان کا علاج

☆ مغربی تہذیب کے بارے میں مسلم ممالک کے صحیح رویہ کا تعین، اور عصر حاضر میں ان کے کردار اور پیغام کی تشریح۔

تازہ ایڈیشن، معیاری کتابت وطباعت، قیمت: ۱۴۰

دریائے کابل سے دریائے یرموک تک

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے مغربی ایشیاء کے چھ مسلم اور عرب ممالک ــــــــ افغانستان، ایران، لبنان، شام، عراق اور شرق اردن ــــــــ کے اس معلوماتی ودعوتی دورے کی مفصل روداد وڈائری، جس میں ان ممالک کی دینی، فکری، سیاسی واقتصادی صورت حال کی سچی تصویر آگئی ہے، اس میں ملت اسلامیہ کے دل کی دھڑکنیں سنی جاسکتی ہیں، اور جس میں وہاں کی دینی واصلاحی تحریکات، متضاد عوامل واثرات اور ذہنی وروحانی کشمکش کا دیانت دارانہ جائزہ لیا گیا ہے ــــــ امیدوں اور اندیشوں کا ملا جلا مرقع اور تاریخ کے صدہا صفحات کا نچوڑ، بعض اہل نظر کا کہنا ہے کہ اس نصف صدی کے اندر جو چند فکر انگیز کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں اس کتاب کا ممتاز مقام ہے۔

معیاری کتابت وطباعت، مفصل اشاریہ، صفحات ۳۰۴، قیمت: ۱۱۰

انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی وہ شہرۂ آفاق کتاب

جو اس وقت دنیا کی مختلف زبانوں میں پڑھی جارہی ہے، اور جس کے متعلق مشہور مستشرق پروفیسر سارجنٹ (کیمبرج یونیورسٹی) کو کہنا پڑا کہ ''اگر برطانیہ میں کسی کتاب کی درآمد پر پابندی لگانے کا رواج ہوتا تو میری سفارش ہوتی کہ اس کتاب کے داخلے پر پابندی عائد کی جائے، اس لیے کہ اس کتاب میں صرف مغربی تہذیب کی مذمت کی گئی ہے۔''

جس کو پڑھ کر مغربی دنیا کے نامور فاضل لندن یونیورسٹی میں میڈل ایسٹ سکشن کے چیرمین ڈاکٹر بانگھم نے ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا کہ ''اس صدی میں مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کی جو کوشش بہتر سے بہتر طریقہ پر کی گئی ہے، یہ اس کا نمونہ اور تاریخی دستاویز ہے''

جس کو پڑھ کر عالم اسلام کے نامور مفکر اور مشہور صاحب قلم سید قطب شہیدؒ نے ان الفاظ میں داد دی کہ ''اس موضوع پر تمام قدیم وجدید لٹریچر میں چند بہترین کتابیں جو میری نظر سے گزری ہیں، ان میں یہ کتاب خاص مقام رکھتی ہے، یہ کتاب تاریخ نویسی کا ایک کامیاب نمونہ ہے، اس

سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کو یورپ کے اسلوب نگارش سے بے نیاز ہو کر تاریخی مباحث پر کس طرح قلم اٹھانا چاہیے، اور کس انداز سے اس کو مرتب کرنا چاہیے۔

جس کو مشرق وسطی کی عظیم تحریک اخوان المسلمین نے اپنے تربیتی کورس میں داخل کیا اور سعودی عرب کی وزارت تعلیمات نے اپنے کالجوں کے نصاب میں جگہ دی۔

جو مشرق کے لیے ایک تازیانہ اور مغرب کے لیے ایک چیلنج ہے۔

اردو ایڈیشن، معیاری کمپوزنگ و طباعت، قیمت: ۱۲۵

عالم عربی کا المیہ

از مولانا ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

مصنف علیہ الرحمہ نے اس کتاب میں جون ۱۹۶۷ء میں عربوں کی شکست اور بیت المقدس پر یہودی قبضے اور مسئلہ فلسطین پر کتاب وسنت اور تاریخی اصول وحقائق کی روشنی ڈالنے اور اس المیے کے حقیقی اسباب کا پتہ لگانے اور ملت کے کمزور پہلوؤں اور دکھتی رگوں پر انگلی رکھنے کی کامیاب کوشش کی ہے، اور حقیقت پسندی اور ٹھنڈے دل ودماغ سے اس المیہ کے اسباب وعلل کی تحلیل وتجزیہ، صورت حال کا جائزہ ومحاسبہ اور مستقبل کے امکانات کا نقشہ پیش کرنے کی مبارک سعی کی ہے۔

آفسٹ طباعت، معیاری کتابت، صفحات ۲۰۰

معاشرتی مسائل
دین فطرت کی روشنی میں

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی صاحب کی اہم تصنیف جس میں میں انسانی زندگی کے اہم ترین مسائل ـــــــ شادی بیاہ (مع تعدد ازدواج) طلاق اور وراثت ـــــــ کو روشنی اور سنجیدہ علمی و عقلی انداز و بیان میں، دیگر مشہور مذاہب کے ازدواجی قوانین کے تقابلی مطالعے کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، نیز "مسلم پرسنل لا" میں تبدیلی کے ایک زبردست وکیل اور مشہور قانون داں کے "مقالہ" کا مدلل جواب دیا گیا اور اس کا علمی و تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے۔

اعلیٰ کمپوزنگ و طباعت، معیاری کاغذ، مجلد، قیمت: ۱۴۰